

سلسلہ انجمن ترقی اردو
نمبر ۱

البیرونی

مولفہ

سید حسن نئی بی۔ اے (علیگ)

مَلَائِكَةُ اخْلَاقٍ وَالْحُكَمَاءُ الْعُلَمَاءُ السُّبْحُ السَّنَةُ الْحَسَنَةُ وَتَمِيَّتُ الْعَالَمُ

حکما اور علما کے حالات مطالعہ عمدہ میر تون کو زندہ اور بدعت کو مردہ کرتا ہے۔ (بیرونی)

در الناطقین واقع چوک لکھنؤ طبع یافت

شکر

یہ کتاب عالیجناب مسٹر محمد اکبر حیدری بی۔ اے۔
ہوم سکرٹری دولت آصفیہ کی فیاضانہ امداد سے طبع ہوئی ہے۔
آپ نے عام طور پر اور خصوصاً ریاست حیدرآباد کے علمی اور
تعلیمی کاموں کی ترقی میں جو حصہ لیا ہے وہ بے انتہا قابل تعریف ہے۔
”انجمن ترقی اُردو“ پر آپ کی خاص نظر توجہ ہے اور آپ کو
اس کے اصول و مقاصد سے کامل ہمدردی ہے۔ انجمن کی جو
اعانت آپ نے مختلف طریقوں سے وقتاً فوقتاً فرمائی ہے
انجمن اسکی نہایت ممنون ہے۔

امید ہے کہ جناب حیدری صاحب کی علمی ہمدردی اور علمی
قدردانی کی یہ مثال ہمارے ہم وطنوں کے لیے قابل تقلید ثابت ہوگی۔

عبدالحق

آزیری سکرٹری انجمن ترقی اُردو

قابل مؤلف نے اپنی خاص عنایت سے اس کتاب کا پہلا ڈریشن
انجمن کو عطا فرمایا ہے۔ جو درحقیقت انجمن کی بہت بڑی اعانت ہے۔
انجمن اس قابل قدر امداد کی نہایت شکر گزار ہے۔
اس ادیشن کے فروخت ہونے پر مؤلف کو اختیار ہوگا کہ وہ
خود طبع کا انتظام کریں یا انجمن کو اجازت دیں۔

عبدالحق
سکرٹری انجمن ترقی اردو

فہرست مضامین

ویباچہ

- (۱) اسلام کی سیاسی حالت چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں
(ب) مسلمانوں کی علمی ترقیات چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں

(۲) البیرونی

- (۱) تاریخ ولادت۔
(ب) مقام ولادت۔ بحث دربارہ محل وقوع بیرون،
(ج) تعلیم و تربیت
(د) حالات قبل از قیام جرجان
(۴) حالات قیام جرجان
(۵) قیام خوارزم
(نہ) محمود اور بیرونی
(ح) سفر ہند۔ تحصیل علوم ہند
(ط) قیام غزنی۔ دربار مسعود و مودود
(ی) وفات

(۳) فہرست تصانیف و تالیفات بیرونی

(۱) تمام کتابوں کے نام جواب تک معلوم ہو سکے ہیں

(ب) کون سی کتابیں اب موجود ہیں (۱) مطبوعہ (۲) غیر مطبوعہ

(۴) کتاب آثار الباقیہ

(۵) کتاب المند

(۶) تبصرہ اختتامی

(ضمیمہ) فہرست ابواب قانون المسودی

دیباچہ

آج سے پورے تین سال پہلے کا ذکر ہے کہ ابوریحان بیرونی کی دو تصانیف ”آثار الباقیہ“ اور ”کتاب الهند“ میری نظر سے گزری تھیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے بیرونی کی جو وقعت میرے دل میں پیدا ہوئی اُس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ میں نے باوجود عظیم الفرستی اور علمی بے بضاعتی کے اُسی وقت بیرونی کے مفصل حالات بہم پہنچانے اور اہل ملک کی خدمت میں پیش کرنے کا عزم قصد کر لیا۔ تقریباً ایک سال کی تلاش و جستجو کے بعد میں اس قابل ہوا کہ میں نے ایک رسالے میں حکیم موصوف کے حالات قلمبند کر دیے بعض وجود سے اُس رسالے کی اشاعت معرض التوا میں رہی اور اب تک اُس کے پتھننے کی نوبت نہ آئی۔

ابتداء میں بیرونی کی ذات سے جو دلچسپی مجھے پیدا ہو گئی تھی وہ ایسی نہ تھی کہ رسالہ مذکور کی تحریر کے ساتھ ختم ہو جاتی۔ میں اس کے بعد بھی اُس کی تصانیف میں برابر ویسی ہی دلچسپی لیتا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں میری معلومات میں روز بروز اضافہ ہوا وہاں بیرونی کی عظمت کا نقش میرے دل میں اور بھی گہرا ہو گیا۔ بالآخر میں نے محسوس کیا کہ جو رسالہ میں بیرونی کے حالات میں لکھ چکا تھا وہ نہ صرف نظر ثانی کا محتاج ہے، بلکہ اُس کے اکثر حصے کو دوبارہ لکھنا ضروری ہے۔ اس خیال کا پیدا ہونا آسان تھا، لیکن جب دوبارہ قلم ہاتھ میں لیا اور نئے سرے سے بیرونی کا تذکرہ لکھا تو معلوم ہوا کہ اپنی قوت کا اندازہ کرتے ہیں

اس مرتبہ بھی دھوکا کھایا۔ بہر حال اس کوشش کا اتنا نتیجہ ضرور نکلا کہ دوسرے رسالے کا حجم پہلے سے سہ چند ہو گیا، بہت سی ضروری باتیں جو پہلے درج ہونے سے رہ گئی تھیں، بڑھ گئیں، جو زیادہ ضروری نہ تھیں، یا تو بالکل نکال دی گئیں یا اختصار سے مندرج ہو گئیں۔ موجودہ رسالہ اُسی اخیر کوشش کا حاصل ہے اور اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے میں بحال ادب اُسے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے اردو میں بیرونی کے حالات میں صرف ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا جا چکا ہے جسے مؤلف رسالہ مولوی محمد غایت اللہ صاحب بی۔ اے (علیگ) نے محمدان ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ دہلی (دسمبر ۱۹۶۷ء) میں پڑھ کر سنایا تھا۔ اس کے علاوہ ماسٹر عبداللہ خان صاحب نے اپنی کتاب ”مشاہیر عالم“ (حصہ اول) میں چند صفحے بیرونی کے حالات میں تحریر کیے ہیں۔ افسوس ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے اُس میں پوری تحقیق اور احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے، اور اس وجہ سے جا بجا غلطیاں پائی جاتی ہیں کیسے تعجب کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں اس وقت تک اُس جلیل القدر شخص کے حالات کھنے کی نہایت معمولی اور سرسری کوششیں کی گئی ہیں جس نے آج سے نو صدی پہلے بیرون کی نگاہ محنت کے بعد ہندو اہل ہند کے بارے میں نہایت مستند تصانیف لکھی تھیں۔

حاشا میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں اُس علامہ اجل کے حالات کھنے میں بالکل کامیاب ہو گیا ہوں۔ میں ایسے دعوے کی اہمیت سے بخوبی واقف ہوں۔ ہاں اگر میں اپنی کوشش میں بالکل ناکام نہیں رہا، اور موجودہ مضمون ناظرین کے دلوں میں بیرونی کی سچی عزت پیدا کر سکتا ہے (جو اس کا اصل مقصد ہے) تو میں بیرونی کے اُس حق سے جو

اُس کا دلی مداح ہونے کی حیثیت سے مجھ پر واجب ہے بسکدوش ہونے کا ضرور کسی قدر فخر کر سکتا ہوں۔

مشہور جرمن مستشرق ایڈورڈ زاخو (Edward Sachse) کے کتاب الہند اور آثار الباقیہ کے انگریزی تراجم، اور اُن دیباچوں اور حواشی کا، جو ان کتابوں پر فاضل موصوف نے لکھے ہیں، میں نہایت زیر بار احسان ہوں۔ اس رسالے کی تحریر میں اُن سے بہت بڑی مدد ملی ہے۔

سب سے بڑھ کر سپاس گزاری کے مستحق میرے محترم اور شفیق اُستاد شمس العلماء مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ ہیں، جو ہمارے زمانے میں متقدمین علمائے اسلام کے تجربہ فاضل یعنی زندہ مثال ہیں۔ جب کبھی میں نے خواہش کی اُستاد موصوف نے اپنی بیش بہا مدد عطا فرمانے سے دریغ نہ کیا۔ نیز میں اپنے اُن اجاب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے رسالہ ہذا کے غیر مکمل مسودے کو دیکھ کر اُس کی تکمیل پر اصرار کیا تھا، اور فی حقیقت یہ انھیں کی ہمت افزائی اور اصرار کا نتیجہ سمجھنا چاہیے کہ میں اس کے شائع کرنے کی جرات کرتا ہوں۔

سید حسن بی

بلت شہر
نومبر ۱۹۱۷ء

”بیرونی تمام علما و حکماء اسلام میں سب سے زیادہ ذہین و طباع اور علوم
طبیعی اور ہندسہ میں سب سے بڑا محقق اور مدق تھا“

مستشرق المانی نو (Mallino)
”مسلمانوں کی شاہراہ علم و حکمت کو بیرونی سے بڑھ کر شاید ہی کسی کے روشن،
قوی اور نکتہ رس دماغ نے منور کیا ہے“

رینڈ پیزلے (R. Beazley)

”البیرونی“ شاید تاریخ اسلام کے ہر عہد اور ہر قوم میں سب سے بڑا نام ہے“
(ایضاً)

”البیرونی علوم ریاضی و طبیعی کے میدان میں اسلام کا سب سے زیادہ
ذہین، باجرت اور عمیق النظر حکیم تھا“

نیلنگ (J. A. Nalling)

(۱)

تاریخ اسلام میں چوتھی اور پانچویں صدی ہجری ترقی علم و حکمت کا ایک
بے مثل دور تھا۔ پیروان اسلام میں ایک عالمگیر علمی روح پھیلی ہوئی تھی جس کی
وجہ سے ہر طائفہ علمی مستعدی اور مصروفیت کے آثار پر روشن تھے۔ اس عہد
کی تاریخ کو جب نظر غائر سے مطالعہ کیا جاتا ہے تو وہ باب الایمان خصوصاً میں نظر
آتی ہیں۔ اول یہ کہ سیاسی حیثیت سے یہ زمانہ ایک نہایت پُر آشوب زمانہ ہے
دوم یہ کہ اس زمانے میں مسلمانوں کا شغف علمی معراج کمال کو پہنچا ہوا ہے
ایک لحاظ سے اس وقت کی تاریخ قومی تاریخ کا ایک ستیزہ دار حصہ ہے اور
دوسرے لحاظ سے وہ ایک نہایت روشن اور تابناک باب ہے۔

باوی النظر میں ان دونوں حالتوں کا اجتماع جمع اضداد و معلوم ہوتا ہے
اس لیے کہ ترقی علوم و فنون کے لیے بد نظمی، رات دن کے انقلابات پر پیکار
و جنگ اور فقدان امن سے بڑھ کر کوئی چیز نا موافق نہیں ہو سکتی جس کی

اسن استمراری اور نظم و نسق مستقل خواب و خیال ہوں، اور مطلع سیاست پر آئے
دن طوفانِ بلا خیز آتے رہتے ہوں وہاں علمی چرچوں اور علمی مجلسوں کا سانچہ گمان
بھی نہیں ہو سکتا۔ خیال ہوتا ہے کہ ایسے زمانے میں سوسائٹی کی تمام تر توجہ
فتنوں حرب اور جنگی آراستگیوں میں صرف ہونی چاہیے اور پوری قومیں سیاسی
اشمکش کے نذر ہو جانی چاہئیں۔

جس زمانے کا ہم بیان ذکر کر رہے ہیں یہ وہ زمانہ ہے جب عربوں کی
مجموعہ قوت قصۂ ماضی ہو چکی تھی اور ان کا عصاے جہان بانی تاجداروں کے
کمزور ہاتھوں میں تھا، جو بوجھ سے کانپ رہے تھے۔ اہل عرب کی شیعہ اقبال
عشرہ پسند خلفاء اور امرا کے محلات میں ٹٹمار ہی تھی اور چاروں سمتیں اٹھنے والی
آندھیوں کے جھوکوں سے اُس کی ہستی معرضِ خطر میں تھی۔ عبد الملک اور
ولید کے پیر شکوہ زمانے داستانِ پاستان رہ گئے اور ہارون و امون کے
قرونِ قبال خواب و خیال ہو چکے تھے۔ مریضِ عربی بسترِ سیاست پر دراز،
مرض سے گھل رہا تھا، اور نڈھال تھا، اور گواہی سخت جانی سے اس حالت
میں بھی بدتون پابند حیات رہا، اور کبھی کبھی اُس کی خشم کو دنگاہیں اعدا کے
طلوب پر جلیان گراتی رہیں، لیکن اُس کی بزدلگی جیسی بزدلگی تھی اور جو کچھ ایسی

ولید بن عبد الملک کا عہد خلافت ۸۶-۹۷ ہجری عربوں کی فتوحات کا نہایت کامیاب دور تھا۔ مشرق میں قسطنطنیہ
میں نے، جو سلطنت چین کی فتح کے لیے روانہ ہوا تھا، سمرقند، خوارزم، فرغانہ، شاش، کاشغر وغیرہ ممالک مسلمان
کو فتح کیا اور ولید کی وفات کی وجہ سے فتوحات خراج لیکر واپس آیا۔ محمد بن قاسم جو ہند کی فتح کے قصد سے روانہ ہوا تھا
ولید کی بیوقت موت کے باعث سندھ فتح کر کے لوٹ گیا، طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے اسپین اور جزائر جزیرہ و صقلیہ کو فتح
کیا، غرض ایک ہی وقت میں عربوں کے عساکر مشرق و مغرب میں فتح و نصرت کے پرچم اٹا رہے تھے اسکے بعد عربوں کو ایسا کامیاب اور کھٹا نہیں

زندگی کا آل ہونے والا تھا ظاہر ہے۔

ایسا ضرور ہوتا تھا کہ جہاں تہاں آثار امید زندہ ہو جاتے اور اتفاقاً حکمران کی غیر معمولی استعداد سے کچھ دنوں کے لیے توانائی عود کر آتی تھی، لیکن ازالہ مرض ہونے کی وجہ سے یہ بدیہت مجموعی حالت نہ بدھ رہتی تھی اور نہ سدھری عربوں کا وسیع رقبہ حکومت اندلس سے لیکر اور لے نہر چین تک بیشمار آزاد اور خود مختار حکومتوں اور ریاستوں پر تقسیم ہو گیا تھا، جن میں کسی قسم کا سیاسی اتحاد موجود نہ تھا بلکہ رات دن کے سیاسی تضادم سے ایک حکومت دوسرے کو کمزور کرتی اور غیروں کے لیے راستہ تباہی تھی۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خیر القرون کے بعد عربوں نے ۱۰ مں درجہ ذیل فہرست سے، جو سرسری طور پر طیار کر لی گئی ہے، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں عربوں کی حکومت کی تقسیم کی کیا حالت تھی:۔

- (۱) افریقہ و ایشیا: (۱) قاطیہ (مصر) ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری (۲) ایشیہ (مصر) ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری
- (۳) ہمدانیہ (موصل) حلب وغیرہ ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری (۴) مروانیہ (حلب) ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری
- (۵) عقیلیہ (موصل وغیرہ) ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری (۶) مروانیہ (دیار بکر) ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری (۷) مزیدیہ
- (۸) حلفہ ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری (۹) کاکویہ (رودستان، اصفہان) ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری (۱۰) حسنیہ
- (۱۱) دروستان، ہمدان، ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری (۱۲) خوارزمیہ (۱۳) نزاریہ (جرجان، طبرستان)
- (۱۴) ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری (۱۵) بونیہ (عراق، اہواز، کرمان) ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری (۱۶) بونیہ
- (۱۷) کرمان (۱۸) بونیہ (عراق) ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری (۱۹) بونیہ (سے ہمدان وغیرہ) ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری
- (۲۰) بونیہ (فارس) ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری (۲۱) غزنویہ (افغانستان و پنجاب) ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری (۲۲)
- سامانیہ (ماورائ النہر) ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری (۲۳) سلجوقیہ (حکومت مشرقی) ۶۴۰ء - ۱۰۷۱ء ہجری۔

مشکل سے بچتی اور اتفاق قائم رہا، اور سیاسی مخالفت و تصادم کو کچھ اسنی
کے لیے مخصوص نہیں کیا جاسکتا، لیکن قرونِ ماضی اور اس زمانے کی
حالات میں یہ بڑا فرق ہے کہ اب زور بہت گھٹ گیا تھا اور مخالفت حد سے
زیادہ بڑھ گئی تھی۔

زوالِ بنو امیہ کے بعد بنو عباس کی حکومت عربوں کی سب سے بڑی
سلطنت تھی اور لایبِ خلافتِ شرقی کے عہدِ زریں نے اختلافِ اندلس
کے پہلو پہلو، عربوں کے پچھلے ترک و اختتام کو بھلا دیا تھا۔ ہارون اور
امون کے یادگار دورِ اقبال میں مطلعِ سیاست صاف تھا اور گو اسی زمانے
میں وہ مواد بھی جمع ہو رہے تھے، جنہوں نے بنو عباس کے اقتدار کو گھٹن
لگا دیا، لیکن یہ عہد اس علوم و فنون کی ترقی کے لیے ہر طرح موزون تھا اور
تمدن کی تاریخ میں سداوندہ رہنے والے "دبیتِ انحلت" کی سرپرستی کے لیے
سوسائٹی کے ہر طبقے کو کافی اطمینان میسر تھا۔ زیبا تھا کہ امون کی عباسی شاہانہ
کی استغنین شکلِ عروسی، سے مصنع کی جاتی تھیں، خواب میں معراجِ ایل کی
بزرگوار صورتِ خلیفہ سے ہم کلام ہو کر اُس کے آتشِ عشق کو شمع کرتی
اور معاکر، روم، یونان، ہند اور ایران کی پُرانی اور ازیادہ رفتہ کتابیں اوتھن پر
اسس فرست میں بلو قیہ افریقیہ کی یاسین، اراقش، طلسمان وغیرہ شاعرین کی لکھی تھیں۔

اسپین میں ہانچوین صدی کے آغاز میں، جب طوائفِ الملوکِ فرینچ ہوائی نو بہت سی خود مختار حکومتیں
قائم ہو چکی تھیں، جن میں سے چند مشہور کے نام لکھے جاتے ہیں۔۔

(۱) قرطبہ (۲) غرناطہ (۳) طلیطلہ (۴) اشبیلہ (۵) سرقسطہ (۶) مراغہ (۷) المیرہ (۸) ونیہ (۹) بیجا (۱۰)

بارہوی بغدادی میں لائی جاتی تھیں، جہاں الکندی، الخوارزمی، جین اور ان کے ہم پیشہ و ہم مشرب علما کا گروہ انھیں ہاتھوں ہاتھ لیکر حکومت اور جمہور کی علمی سکھابو یعقوب بن اسحق الکندی (قبیلہ کند سے) عربی النسل تھا۔ سلمان بن حنن نے لکھا ہے کہ اسلام میں کندی کے سوا کوئی شخص فلاسفہ کے لقب سے ممتاز نہیں ہوا۔ بعض حکام نے اسے اسطو کا ہم پلہ مانا ہے۔

مدینہ کو فہم جان ابو یعقوب کا باپ حاکم تھا، حکیم موصوف (تیسری صدی ہجری کے آغاز میں) پیدا ہوا اور بصرہ و بغداد میں، جو اُس زمانے میں سب سے بڑے علمی مرکز تھے اُس نے تعلیم پائی۔ امون الرشید نے بیت الحکمت کے اہم ترین مترجمین میں مقرر کیا لیکن متوکل کے زمانے میں سلسلہ ملازمت منقطع ہو گیا۔ کندی کی تاریخ ولادت و وفات کا پتہ نہیں چلا لیکن عیسائی ہجری ۲۷۵ء میں وہ بغداد میں تھے۔

ابو یعقوب کندی اسلامی تاریخ میں ایک غیر معمولی قابلیت کا شخص گذرا ہے اور اُس کے علمی کارناموں کے پورے تذکرے کے لیے کافی تفصیل اور شرح و بسط درکار ہیں۔ وہ ریاضی، ہیئت، نجوم، منطق، فلسفہ، طبیعیات، طب، موسیقی، و تاریخ تمدن و جغرافیہ میں اہر کامل تھا اور یونانی و سریانی زبانوں میں پوری دستگاہ رکھتا تھا، بہت سی یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ چونکہ علوم سے محبت نہایت تھی، لہذا اس کے ساتھ اصل کتاب کی چھڑکیاں نہایت خوبی سے رفع کی ہیں۔ اس کے شاگردوں میں بڑے بڑے فاضل علماء گذرے ہیں جو علمی مشاغل میں اپنے استاد کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ ابن اصبیح نے اپنی کتاب طبقات علماء میں اُس کی تصانیف کی جو فہرست لکھی ہے اُس میں دو سو بیسی کتابیں ہیں! طبیعیات اور ریاضی کو جن کا فلسفہ، افلاطون و افلاطون و افلاطون پر بڑا اثر ہے۔ کندی کے فلسفے میں بڑا دخل تھا۔ اُس کا قول ہے کہ بغیر ریاضی جانے کوئی شخص حکیم ہونے کا حق نہیں رکھتا، ابولفسر فارابی سے پہلے کندی کی کتب منطق داخل درس تھیں۔

محمد بن موسیٰ خوارزمی، ہمدانی، ہمدانی، ہمدانی اور عالم ہیئت تھا۔ وہ خط ان علماء کے ہے جنہو نے بیت الحکمت کی طرف سے فہم ہیئت میں مشاہدات کیے و تاریخ خوارزمی، ہمدانی ہیئت کی ایک ہر ذریعہ کتاب رہی جس کی اشاعت کی وجہ سے یورپ میں ہیئت کا ابتدائی شوق پیدا ہوا۔ ہمدانی ہمدانی (کا خلاصہ بھی لکھا تھا۔ اُس کی تصانیف میں الجبر و المقابلہ ایک نہایت معرکہ الار تصنیف اور عربوں کی فن ریاضی میں حیرت انگیز جدت کا بین ثبوت ہے۔ ان کا ترجمہ روزانہ (Rozanne) صاحب نے مع حاشیہ مفید انگریزی زبان میں کیا ہے۔

جین بن اسحق امون کے مشاہیر و یار ہیں سے ہے۔ اور بنجملہ ان چند علما سے یہود کے ہیں

تشی کی بجھانے کا سامان مہیا کرتے تھے۔ کچھ تعجب نہیں کہ اُس وقت خلفاء بغداد کے ظلِ عاطفت میں علمی و پچپیان سوسائٹی کا وظیفہ شبابِ روزی ہوئی تھیں۔ ہاں تعجب ہو سکتا ہے چوتھی، پانچویں صدی کی علمی جدوجہد کا جب آب و ہوا کے ناسازگار ہونے کا قوی احتمال ہو سکتا ہے۔

مرکزِ خلافت کی یہ حالت تھی کہ خلفاء کی وچپیان حرم کی چہار دیواری سے باہر باریاب نہ ہو سکتی تھیں اور وہاں بھی انھیں اطمینان یا آزادیِ منہیہ نہ ملتی تھی۔ دارالسلام میں عناد و فساد کے ہولناک شعلے متواتر مشتعل ہوتے رہتے تھے جن کی وجہ سے امن و امان دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔

ہماتِ سلطنت کا انصرام پورے طور پر قابو طلب عجمیوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا تھا۔ بنو عباس سے اسلامی تاریخ کا جو باب شروع ہوتا ہے اُس کی تہید عجمیوں کا حصول اقتدار ہے، اور خلافت کے انحطاط کے پہلو پہ پہلو عجمیوں کی ترقی کی تاریخ نظر آتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ بنو امیہ کے مقابلہ میں بنو عباس کو کامیابی عجمیوں کی بدولت نصیب ہوئی تھی، جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ عجمی حکومت میں شریک ہو گئے۔ بنو عباس نے اپنا مرکز حکومت عجمیوں کے گھر میں قائم کیا تھا اور اسی غرض سے قائم کیا تھا کہ اُن کی مدد و ہر وقت آسانی (بقیہ حاشیہ ۵) جن کی شہرت و زام آوری خلافت عباسیہ کی سرپرستی کی رہیں منت ہے۔ بہت سی یونانی کتب کا عربی ترجمہ کیا اور اس خدمت کے معاوضہ میں بھگوانگی مال و دولت پائی۔

بغداد کی اس افسوسناک بربادی کی حالت مشہور خطیب اور مورخ ابو بکر خطیب بغدادی (۳۶۰ھ) کی تاریخ بغداد سے معلوم ہو سکتی ہے۔

مستتر آتی ہے۔ اس کا نتیجہ جہاں یہ ہوا کہ بنو عباس نصف عجمی ہو گئے وہاں عجمیوں پر اُن سے بڑھ کر عربی اوضاع و اطوار کا اثر پڑا۔ بالخصوص مرکز حکومت کے قریب کی بدولت عجمیوں کی زبانی و ذہنی تربیت کا میلان روز بروز حصول فضل و کمال کی طرف بڑھتا گیا اور وہ اس قابل ہو گئے کہ عربوں کا ہاتھ علمی مشاغل میں باحسن الوجہ بٹاسکیں۔ ہارون اور رماہون کے زمانے میں جو عزت اور رسوخ عجمیوں کو نصیب ہوا وہ محتاج بیان نہیں، لیکن تیسری صدی ہجری سے عنان حکومت بھی بنو عباس کے اختیار سے نکل کر عجمیوں کے ہاتھ میں آگئی۔

سامانیوں کے بعد جب دلیویں یعنی آل بویہ کا ستارہ اقبال دچو تھی صدی کے خمس اول میں اچھا طور ہا سہا عباسی یعنی عربی اقتدار بھی خاک میں مل گیا۔ خلفاء آل بویہ کے دست نگر ہو گئے اور میدان عمل سے گویا اُن کی ہستی ہمیشہ کے لیے ناپید ہو گئی۔ اُس وقت سے اُن کی صرف ایک حیثیت رہ گئی یعنی وہ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین تھے اور ریاست دینی اُن کے لیے مخصوص تھی۔ از دست رفتہ آراضی خلافت میں اکثر جگہ اُن کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، سکے میں نام شامل ہوتا تھا اور بارگاہ خلافت سے القاب و خطابات حاصل کرنا نشانِ ریاست کی تکمیل کے لیے بالعموم ضروری تصور ہوتا تھا۔ دربار سے خطابات اس زیادتی سے عطا کیے جاتے تھے کہ دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی اور خطاب والوں کی تعداد و شمار سے متجاوز ہو چکی تھی۔ ایک دو خطاب مل جانا تو معمولی بات تھی حضرت خلافت سے یقینین کو "دولہ"، "امہ"، اور "ملہ" پر ختم اور ذی سے شروع

ہونے والے القاب دیے جاتے تھے اور دباؤ پرٹنے پر شاہنشاہ کا منقحر
 خطاب بھی دستیاب ہو جاتا تھا۔ ایک ہی شخص کو شاہنشاہیت کے سوا
 ذی الریاستین، ذی الکفایتین، ذی القلمین، ذی السیفین وغیرہ خطابات میں
 سے کچھ نہ کچھ مل جاتا اور وہی شخص بہارالدولہ ضیاءالملکہ اور غیاث الاسمانہ بھی
 ہو سکتا تھا۔ خطابوں کا دینا کچھ بارگاہ بغداد کے لیے مخصوص نہ تھا بلکہ ہر ذی اختیار
 حکمران اگرچہ اُس نے اپنے لیے حضرت خلافت ہی سے خطاب حاصل کیا ہو
 اپنے حوالی موالی کو ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر خطاب دیتا تھا، آلِ بویہ نے
 اس بارے میں بہت ہی غلو سے کام لیا۔ اُن کے یہاں ایک سے ایک
 جہت امیر خطاب کر دیا جاتا تھا۔ کافی الکفاه، کافی الاوحد اور اوحدا الکفاه
 اور خدا جانے اسی قبیل کے کیا کیا خطابات تھے جن کو باکر آلِ بویہ کے
 حلقہ گوش اپنے جاموں میں پھولے نہ سہاتے تھے۔

اُس زمانے کی سیاسی حالت دیکھ کر اپنے ملک کی اٹھارویں اُنیسویں
 صدی عیسوی کی تاریخ یاد آتی ہے جیسا براہِ روزگار نے عییب کے مان و سخت سے
 وارثِ مہلی کے قلعہ سعلی میں تاج شاہنشاہی زیمبیا سر کیجہ بزعم خود اپنے آپ
 کو اس عظیم الشان برعظم کا مالک تصور کر رہے تھے اور حالت یہ تھی کہ سجدہ ولی
 انسانی آزاد ہی بھی اُنہیں انصیب نہ تھی لیکن ملک کے بشمار متناہل درآزاد
 شہر چوتھی صدی ہجری کے اخیر میں خلافت عباسیہ کی جو حالت تھی اُس کا تذکرہ مروئی نے آثارالباقیہ میں
 کیا ہے۔ القاب کی ایک فہرست دی ہے اور ان الفاظ میں لکھا ہے کہ خطابات کی اتنی کثرت تھی کہ اُس کی زمرہ

سے اُن کی توثیق بالکل باقی رہی تھی۔ دیکھو آثار الباقیہ صفحہ ۱۳۲-۱۳۳۔

حکمران بارگاہِ دہلی سے القابات و خطابات اور فرمان و پروانہ حاصل کرنا سب سے
حکومت تصور کرتے تھے!۔

یہاں ہمیں چوتھی پانچویں صدی کی سیاسی تاریخ لکھنا مقصود نہیں ہے
گو بجاے خود یہ ایک نہایت دلچسپ مشغلہ ہو سکتا ہے اور قومی عروج و زوال
کی تاریخ کا ایک عبرت خیز بحث قرار دیا جاسکتا ہے۔ اوپر جو سیاسی حالت کا
ایک عام چہرہ اُتارا گیا ہے اُس سے صرف اتنی بات دکھانا ضرور خاطر ہے
کہ اقتضائے زمانہ علمی روح کی غیر معمولی نشوونما کے لیے موزون نہ تھا۔ اب
پہ دیکھنا باقی ہے کہ اس زمانے میں اس علمی شوق اور انہماک کی وجہ کیا تھی۔

حقیقت الامر یہ ہے کہ جب عربوں کی فتوحات کا دور ختم ہوا یعنی کشور
ستانی کے اکثر مصر کے سر ہو چکے اور فاتح قوم کے سکون و قیام کا وقت آیا تو وہ
عہد شروع ہوا جو امن و مذہبیت کا لازمی نتیجہ تھا۔ علم و فن کی طرف توجہ شروع ہوئی
اور فاتح قوم نے اس میدان میں بھی اپنی فطری مستعدی اور غیر معمولی بیداری
کا ثبوت دیا۔ تقدیر نے عربوں کو ان ملکوں کا مالک کیا تھا جو آفتاب تمدن کے
آسمان رہ چکے تھے اور جہاں سے اطراف و اکناف عالم میں علم و تہذیب کی روشنی
پھیلی تھی۔ وادی نیل، دو آبِ فرات و دجلہ، ارضِ فلسطین اور علاقہ فارس یہ
وہ اقطاعِ عالم تھے، جنہوں نے نوبت بہ نوبت علم و فن اور تہذیب و تمدن کی
معلیٰ کی تھی۔ سرزمین یونان اس وقت تک مسلمانوں کے محروسہ رقبہ سے
خارج تھی لیکن یونان وہ یونان نہ رہا تھا جو اخطاطون و ارسطو کے زمانے میں
تھا اور مدون پہلے رومہ الصغریٰ کے متعصب عیسائی سلاطین کے مظالم نے

وہاں کے بچے کچھ علم بردارانِ علم و حکمت کو وطن کے خیر باد کہنے اور اراضی کسری میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ جب عربوں کا زمانہ حکومت شروع ہوا تو یونانی علم و حکمت کے جو کچھ نام لیاوتھے وہ بالعموم عربوں کے رقبہ حکومت میں آباد تھے۔

ان موافق حالات سے مسلمانوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ دور فتح و نصرت کے بعد تمدنِ علوم و فنون کا کام تندہی اور دلچسپی سے جاری ہوا۔ سچ یہ ہے کہ علم کا شوق عربوں کا ایک مذہبی عنصر تھا۔ اس سے انکار کرنے کی شکل سے کوئی شخص جرات کر سکتا ہے کہ جس مذہب کے پیرو ہو کر عرب دنیا میں نکلے تھے وہ مذہب صبحِ ظہور سے علم کا بہت بڑا حامی تھا اور اُس زمانے میں حامی تھا جب ہر جگہ جمالت کی گھنگور گھٹا چھائی ہوئی تھی اور انسان قعرِ جمالت میں پڑا ہوا تھا۔ تقدیر نے عربوں کی قسمت میں لکھا تھا کہ اُن کی عالمگیر جہانبانی کے ساتھ آفتابِ علم از سر نو طلوع کرے اور اُس کی ایسی روشنی پھیلے کہ اقوامِ عالم بیدار ہو کر ارتقاء تمدن کے مدارجِ اعلیٰ طے کرنے لگیں۔ یہی وجہ ہے کہ کم از کم ایک لحاظ سے تاریخِ اسلامی نہایت شان دار رہی ہے اور اس لحاظ سے اس کا مطالعہ ہمیشہ اپنوں اور غیروں کی دلچسپی اور تعجب کا باعث ہوگا۔

ہماری سیاست کی بنیاد خیر القرون کے تھوڑی مدت بعد ہی ٹیڑھی پڑ گئی اور ایسی ٹیڑھی پڑی کہ پھر سیدھا ہونے کا نام نہ لیا۔ جب اسلامی جمہوریت کے صدر نشینوں کا عہد مسعود ختم ہو گیا اور جہانبانی تاجداروں اور اُن کے وارثوں کی ملکیت قرار پائی تو پھر اسلامی تاریخ میں سیاست ابتدائی کا اعادہ ہوا۔ لیکن

بہترین ایک خصوصیت اسلامی تاریخ کا جزو و لاینفک ہے۔ انتقال تاج و تخت انقلاب ملوک و سلاطین، اختلاف نسل و قوم، افتراق امت، غرض کسی تبدل و تغیر کا دیر پا اثر اس خصوصیت پر نہوا۔ یہ خصوصیت مسلمانوں کی علم پرستی اور ہنر پروری ہے۔ دربار کو چھوڑ دو جہاں رات دن زور و جواہر اہل علم کے قدموں پر نشانہ ہوتے تھے، بزم کو جانے دو، جہاں علمی و محبیان سوسائٹی کا عام شغلہ تھیں، رزم کو جہاں ہر شخص شمشیر بکھٹ ہے اور گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ جو ہاتھ تلوار پر کپڑے ہوئے ہیں انھوں نے کبھی قلم بھی چھوا ہو گا۔ لیکن اسلامی تاریخ کی رت گدلی کرتے چلے جاؤ ہاں جہاں جدل و قتال کا نقشہ چایاؤ گے وہاں سیکڑوں بلکہ ہزاروں ایسی صورتیں نظر آئے گی جو قلم کی بھی ویسی ہی دھنی ہیں جیسی تلوار کی۔

۵۸ تاکہ غلط فہمی کا موقع پیدا نہ ہو جائے یہاں اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ میری مراد اس فقرے سے نہیں ہے کہ آفتاب اسلام کے طلوع سے آج تک ہمیشہ مسلمانوں کا مذاق علمی صحیح و گہرا رہا ہے اور اس میں لغزش پیدا نہیں ہوئی۔ دراصل میرا یہ منشا ہے کہ اگرچہ بہت سے اوقات میں، بالخصوص چھٹی صدی ہجری کے بعد مسلمان صحیح مذاق علمی ہے اور ہو گئے اور ایسی حالتوں میں عام طور سے اس قسم کی نظیریں جیسی ہماری پیش نظر ہیں تلاش کرتا ہے سو دہن لیکن علم بنا سبب مذاق اہل زمانہ، بہ نسبت دنیا کی کسی قوم کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ شائع و رائج رہا۔ یہ سچ ہے کہ بعض اوقات مذاق علمی بہت پیچھے درجے تک پہنچا۔ جیسا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا جن کا منتہا ہے فضل و کمال ایک وقت میں فارسی ادب کی چند کتابیں قرار پا گئی تھیں، لیکن باوجود اس اختلاف مذاق کے جو مختلف زمانوں میں مختلف رہا، مسلمانوں میں علم ایک عام چیز رہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برخلاف اکثر اقوام عالم کے مسلمانوں میں علم کسی مخصوص طبقے کے ساتھ وابستہ نہیں تھا اور تہذیب میں بھی صلہ ہوتی اور موقع مل جاتا وہ تحصیل علم کر لیتا تھا۔

ہرچند کہ علم کی سرپرستی حکومت اسلامی کا عام شیوہ رہا، لیکن مسلمانوں کی
 ترقی علم کا مدار محض دولت پر نہ تھا بلکہ زیادہ تر اُن پرستاران علم کی ذاتی جدوجہد
 پر تھا، جو بجز فضل و کمال اور علم و دانش کے کسی دوسری چیز کے سامنے اپنی
 پشت خم کرنا علم و فضل کی توہین تصور کرتے تھے۔ اسی بے نیازی اور استغنا
 کا نتیجہ تھا کہ حکومت و دولت کی گردن اکثر اُن کے در پر جھکتی تھی اور یہ سب اُس
 علمی روح کی بدولت تھا جس کی اشاعت نہ ہی اشاعت میں مضمر تھی۔ تاریخ
 بہت سے ایسے مسلمان تاجداروں کے نام گنوا سکتی ہے جنہیں علم و فضل کے
 دربار میں پہلی صف میں جگہ ملے گی۔ علم کی عام قدر و منزلت کا ایک گونہ اس سے
 اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلاطین و امراء اسلام خود صاحبِ قلم ہونا، یا کم از کم
 اس لقب سے ملقب ہونا، صاحبِ تاج و سیف ہونے سے کم نہیں سمجھتے تھے
 اور ان کی لوح و تالیف کی کلمات کی فہرست اس وقت تک بالکل ناکمل رہتی
 تھی جب تک اُس میں اُن کی علم پروری اور بہر پسندی کے متعلق کافی الفاظِ حمید
 شامل نہ ہو جاتے۔ نظم و نثر، کتاب و لوح، توفیق و فرمان، ہر جگہ دانش پر وہی اُن
 کے نام کی زینت کے لیے طرہٴ تاج متصور ہوتی تھی۔ اس سے ہمارا یہ منشا
 نہیں ہے کہ تمام سلاطین اسلام علم کے دیوتا تھے اور جو تاجدار ہوتا تھا اُس کے
 سے بفضل و کمال کی دستاویزی ہوتی تھی، بلکہ دکھانا صرف اتنی بات ہے کہ علم کی
 قدر و فضیلت کا تصور سوسائٹی کے ہر طبقے میں جاگزیں تھا اور بنا بریں مسلمانوں
 کا علمی شغف سیاسی حالت کا چندان پابند نہ تھا، یا بالفاظِ دیگر تحصیل علم کی جدوجہد
 کی فطرتِ ثانی نے مسلمانوں کے دل و دماغ پر ایسا تصرف حاصل کر لیا تھا کہ

مدتِ مدید تک سخت سے سخت موانع بھی اس خاص غرض و غایت کی حصول سے اُنھیں باز رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اُس کا غالباً بہترین ثبوت اُس دور کی اسلامی تاریخ ہے، جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ شاید اسلامی تاریخ میں مشکل سے کوئی دوسرا دور ایسا نظر آئے گا۔ جس میں فضل و کمال کی ایسی تابناک اور متعدد مثالیں موجود ہوں جیسی چوتھی پانچویں صدی دُنیا کے سامنے پیش کی ہیں۔ خواہ کوئی اسے اتفاق وقت سمجھے یا ہماری طرح، اس عہد کی عام اسلامی فطرت کا ایک مظہر تصور کرے یہ واقعہ ہے کہ خاص طبقہ علماء سے گذر کر فضل و کمال کی شیفنگی اسلامی دُنیا کے لاتعداد حکمرانوں کے دل و دماغ پر قابض تھی۔ ان میں سے اکثر خود علم و فضل سے آراستہ تھے اور ظاہر ہے کہ اُن سے بڑھ کر فضلا و کملا کی قدر دانی اور کون کر سکتا تھا۔ قدرِ علوم اور عزتِ اہل علم کی رفعت کی وجہ سے علماء و فضلا کے طبقات ترقی علم میں جو بذلِ جہد و جد کرتے تھے اُس کا اندازہ محض تصور یا تخیل سے کرنا دشوار ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ خاموشی اور غیر جنبہ داری سے ان لوگوں کی کوششوں کی کچی کھچی، مٹی مٹائی یا دو گاروں پر نظر ڈالی جائے اور واقعات کی بنا پر کوئی رائے قائم کی جائے۔

جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے ظاہر ہو چکا ہے اس دور میں خلافتِ شرقی میں آلِ بویہ سے بڑھ کر کسی کو اقتدار حاصل نہ تھا۔ ہمیں اُن کی سیاسی افعال سے کوئی بحث نہیں البتہ ان کی علم دوستی بغیر خراج تحسین کے

نہیں رو سکتی۔ اُن کے عہدِ دولت میں بے شمار علما و فضلا گزے اور اُن میں سے اکثر نے آل بویہ کے جو و دھراحم سے بہرہ یاب ہو کر علم و حکمت کی خدمت میں غمرِ سر کی۔ اسی دور میں جو ہمارے پیش نظر ہے، عراق، خراسان اور ماوراء النہر کے اندر محض باہرین ہیئت و ہندسہ کی ایک طویل فہرست پیش کی جاسکتی ہے، جو اپنے شعبہ علم میں امتیاز تاریخی رکھتے ہیں اور جن میں سے اکثر اپنی شہرت کے لیے آل بویہ کے تملقات کے رہین منت ہیں۔

ابو محمود حامد بن الخضر الجندی، ابو سهل ریحان بن رستم الکوشی، ابو الحسن شہید المصنعی، ثبار فلیکین میں سے تھا اور اُس کا تعلق امیرِ خراجِ دہلی کے رباد سے تھا جس کے نام پر اُس ایک آلہ رصد موسوم بہ "سندس الفخری" ایجاد کیا تھا۔ اس آلے کی مدد سے آسمان و عروض البلاد کی ترصید کی جاتی تھی۔ سندس الفخری سے پہلے علامہ ہیئت ضبط ثنائی پر قادر نہ تھے، بلکہ صرف درجات و دقائق نکال سکتے تھے اس آلے کی وجہ سے، جس سے ثنائی بھی معلوم ہو جاتے تھے، علومِ فلکیہ کو بہت ترقی ہوئی۔ سندس جسے انگریزی میں (Sindus) کہتے ہیں اُس کا استعمال بیک اجرامِ سادی کے ارتفاع، میل البلاد، عروض البلاد اور مسافات معلوم کرنے کی غرض سے رصد گاہوں میں ہوتا ہے۔ بیرونی نے اس کی تعریف لکھی ہے اور ابی الحسن المکشی نے اس آلے کی کیفیت بیرونی سے نقل کی ہے۔ عربی کے رسالہ المشرق جلد (۹) میں الجندی کا ایک رسالہ شائع ہوا تھا جس میں آلہ سندس الفخری کے ساتھ مقام سے بین نجدی کے (علامہ ہیئت کے گروہ کی مدد سے) ترصید تسمیہ کرنے کی توضیح ہے۔ بیرونی نے جو اس آلے کی کیفیت لکھی ہے اُسے بھی المشرق میں نقل کیا ہے۔ الجندی کے رسالے سے دو اہم امور مانور ہوتے ہیں۔ (۱) الجندی اختلاطِ انحرافِ فلک البروج سے واقف تھا، جو اُس کے زمانے میں ۶۲° ۱۸' ۶۲" تھا اور ہر سال ۴۸ دقیقے کم ہوتا تھا (۲) عرض البلد معلوم کرنے کے متعلق وہ یہ قاعدہ بیان کیا تھا کہ تمام کواکب کا میل ارتفاعِ سمت کے برابر ہے اور اس لیے ارتفاعِ قطب کے برابر ہے جو کہ اُس کے (بیرونی) قاعدہ

ابن کنان الجبلی، ابوالوفا محمد بن محمد البوزجانی الصفحانی، ابونصر منصور بن علی بن اقی
(بقیہ حاشیہ ۹) عرض البلد کے برابر ہے جہاں کا عرض نکالنا مقصود ہے۔ یہ قاعدہ فی زمانہ رواج رکھتا ہے، لیکن
متاخرین مغرب کی طرف منسوب ہے حالانکہ نجدی نے اس سے کام لیا ہے۔ انجندی نے ۱۰۰۰ ہجری ۱۰۰۰ھ میں انتقال کیا۔
۱۰۰۰ھ لکھو ہی کا تعلق شرف الدولہ کے دربار سے تھا، جس نے ایک رصد گاہ قائم کر لی تھی، جہاں الکوہی نے رصد
تک حرکات کو اکب کے متعلق مشاہدات کیے تھے۔ اعتدالین ربیعہ و خریفی کے بارے میں الکوہی کی تحقیقات نہایت
درست اور مقبول ہیں۔

۱۰۰۰ھ زیچ کو شیار ایک مشہور تالیف فن ہدیت میں تھی۔ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ کو شیار نے ایک نہایت
عمدہ رصد خانہ طیار کیا تھا، جہاں اس نے ۱۰۰۰ھ ہجری میں کثیر مشاہدات کیے۔ کو شیار کی ایک دوسری تالیف
کا نام ”دیچ الجامع والسامع“ ہے۔

۱۰۰۰ھ ابوالوفا علمائے ہدیت میں نہایت مشہور و معروف شخص ہوا ہے قصبہ بوزجان واقع خراسان میں
پہلی رمضان ۱۰۰۰ھ ہجری (۱۰ جون ۱۰۰۰ء) کو پیدا ہوا تھا۔ ۱۰۰۰ھ ہجری ۱۰۰۰ھ میں دکن سے عراق کو حرکت
کر گیا اور وقت وفات تک نہیں۔ ۱۰۰۰ھ ہجری ۱۰۰۰ھ میں وفات پائی۔ شکی
تصانیف میں سے حسب ذیل کتابیں یورپ و مصر کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

(۱) کتاب ایختیاریہ الکتاب والعمال من علم الحساب۔ (لمیڈن و قاہرہ)

(۲) الکتاب الکامل جس کے بعض حصے فرانسیسی میں ترجمہ ہوئے ہیں۔

(۳) کتاب متعلق بسا۔ تا وہ نہ سمہ (کتب خانہ ایا صوفیہ) اس کتاب کا اصل نسخہ اور ایک فارسی

ترجمہ ہے۔ پیرس کی لائبریریوں میں بھی اس کے نسخے ہیں۔

اقلیدس اور الخوارزمی کے متعلق ابوالوفا نے جو شرحیں تحریر کی تھیں وہ کہیں موجود نہیں۔ ۱۰۰۰ھ ہجری کا بھی

جہمیت کے متعلق تھی یہ نہیں چلتا۔ ”الزج النائل“ جس کے نسخے پیرس اور برٹش میوزیم میں موجود ہیں (بقیہ حاشیہ ۱۰)

مولیٰ امیر المؤمنین ابو علی بن الیث الخولی، ابو سعید احمد بن محمد عبد الجلیل السجری

(بقیہ حاشیہ ۱۲) معلوم ہوتا ہے ابو الوفا کی تصنیف سے ہے یا کم از کم ان میں کی کیفیات سے انخوڑ ہے۔

ابو الوفا کی شہرت کا باعث یہ ہے کہ اُس نے علم المساحت اور علم التلسلعات میں بہت سے نئے قواعد نکالے تھے، جن کی وجہ سے ان علوم میں بہت کچھ ترقی پیدا ہو گئی۔ جیب (Tangents) اور خطوط قاطع (Secants) کے استعمال سے مثلثات اور بیضیت میں اُس نے نہایت مفید کام لیے۔

اختلافات (Variation) کے متعلق اُس نے دنیا میں سب سے پہلے نظریہ اختراع کیا، حالانکہ خیال کیا جاتا ہے کہ انکوریس، جو ابو الوفا سے چھ سو سال بعد یورپ میں ہوا ہے اس نظریہ کو سب سے پہلے معلوم کرنے والا شخص ہے۔ ابو نصر منصور عالم بیضیت بیرونی کا استاد اور دوست تھا اور اُس نے بیرونی کے نام پر کی کتابیں لکھیں تھیں جو آج کے چل کر بیرونی کی تصانیف کے نہرست میں مذکور ہوں گی۔ ابو نصر کا ۲۲ مسجری سے پہلے انتقال ہو گیا تھا جیسا کہ بیرونی کے خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ اُس کی تصانیف میں سے دو میں کتابیں یورپ کے کتب خانوں میں جو رہیں

(۱) رسالہ فی البرہان علی حبش فی مطالعہ السمیت فی زیچہ،

(۲) رسالہ دربارہ علم مثلثات۔

(۳) رسالہ فی جدول الدقائق۔

بیرونی نے اس عالم بیضیت سے جو سجتا کی متوطن تھا آثار الباقیہ صفحہ ۴۲ (۱۷۱) میں اہل حجتان کے مہینہ کی متعلق ایک روایت بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو سعید بیرونی کا ہم عصر اور دوست تھا نیز کتاب استعیاب میں لکھا ہے کہ اُس نے ایک بڑی مصطلب تیار کی تھی جس میں کرۂ ارض کی حرکت کو تسلیم کر کے مسائل بیضیت کے نکالنے کے طریقے استنباط کیے تھے یہ مصطلب بیرونی کو بہت پسند آئی تھی۔ بیرونی کے مذکورہ بالا قول سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء اسلام میں ابو سعید موصوف کی حرکت ارض کا قائل تھا اور جدت طبع و اختراعی قابلیت میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ افسوس ہے کہ اس فاضل کے زیادہ حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

ابو الحسن ادخربن استاد حص، احمد بن عبد اللہ حبش، ابو علی الحسن بن الحسن البصری،
 ابو عبد اللہ محمد بن احمد السبیتی، ابو عبد اللہ الضرر الجوزجانی، احمد الصاغانی متوفی ۲۸۵ھ
 (۲۹۹ھ)، ابو سعد القیس سہل، ابو عبد اللہ محمد بن جابر البتانی یہ ان لاتعداد ازیاد
 رفتہ فضلاء میں سے چند افراد ہیں جو ہیئت و ہندسہ کے آسمان میں آفتاب ہو کر
 چمکے۔ امیر عضد الدولہ جو خاندان بونیکہ کا ایک نامور حکمران ہوا ہے، اوچس کے
 فضل و کمال کی تاریخ ہمیشہ شاہد رہے گی، شریف بن الاعلم اور عبد الرحمن المتوفی

۵۱۵ھ کئی جگہ پر بیرونی نے ابو الحسن ادخربن استاد یزدان خیس کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیرونی
 کے دوستوں میں سے تھا اور علم ہیئت میں حرارت کامل رکھتا تھا۔ جو روایات بیرونی نے اُس سے منقول کی
 ہیں وہ بتاتی ہیں کہ ابو الحسن ادخربن قدیم فارسی روایات اور عقائد و مراسم میں نہایت عمدہ بصیرت رکھتا تھا۔ دیکھو
 آثار الباقیہ صفحہ ۴۴-۶۱

۵۱۶ احمد بن عبد اللہ حبش مشہور علمائے ہیئت میں سے تھا اور اُس کی تصانیف کی شرح اور اس کے اعمال
 ہیئت کی تصدیق میں بیرونی اور اُس کے دوست ابو نصر نے متعدد اور ضخیم تالیفات لکھی تھیں، جن سے معلوم
 ہوتا ہے کہ فضلاء عصر میں وہ غیر معمولی وقعت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

حبش (مشہور برد الحاسب) پہلا شخص ہے جس نے علم ساحت میں جیب (Tangents)
 فضل جیب (Cotangents) اور خط قاطع (Secants) کا استعمال دنیا میں رائج کیا۔ یہ ایک ایسا
 اضافہ تھا جس کی وجہ سے اس شعبہ ریاضی میں بہت سی سہولتیں پیدا ہو گئیں۔

۵۱۷ ابو محمد عبد اللہ محمد بن جابر بن سنان البتانی انحرافی الصابی ۲۸۵ھ-۳۲۰ھ (۲۹۹-۳۳۴ھ) غالباً عراق
 کے نواح میں پیدا تھا۔ اُس نے شہر قدسین، جو فرائد کے داہنے کنارے تھا زندگی کے اکثر دن گزائے۔ بیس
 سال کی عمر سے مشاہدہ افلاک شروع کیا اور پچاس سال سے زیادہ مدت تک اسی مشغلیں گزارے۔ اکثر شاہد

کی شاگردی پر فخر کیا کرتا تھا۔ قدر دانی کا یہ حال تھا کہ مشہور بخوی اور لغوی ابوعلی فارسی کے حق میں جو ایک وقت امیر موصوف کے زمرہ علمائین شامل تھا، بے ساختہ یہ فقرہ سکلاتھا جو اُس کی ہنر پروری کو بقاسے دوام کے خلعت سے سرفراز کرتا ہے کہ ”دین ابوعلی کے اوئی غلامان غلام میں سے ہوں۔“ یہ الفاظ اُس شخص کے منہ سے نکلے تھے جو خود ایک جتید بخوی کی حیثیت رکھتا تھا، اور ابوعلی کی ”ایضاح جیسی کتاب اُس کے معیار پر پوری نہ اُترتی تھی اور مصنف کو مکملہ لکھ کر اپنی ساکھ قائم رکھنا ضروری معلوم ہوا تھا۔ اسی صاحب فضل کے

(بقیہ حاشیہ ۱) ہیئت دمشق میں کیے۔ بتانی کی تصانیف میں سے حسب ذیل تصانیف کا نام ہمیں معلوم ہیں۔

(۱) کتاب معرفت مطالع البروج فی بابین اربع الافلاک۔ (۲) اذیہ مسئلہ۔

(۳) رسالہ فی تحقیق اقدار الانصالات۔ (۴) شرح المقالات الاربع البطلیموس۔

(۵) زیج البتانی یہ اُس کی خاص تصنیف ہے۔ اس پر بیرونی نے بھی ایک کتاب (جلال الاذہان) لکھی تھی

زیج البتانی اس وقت بھی بعض کتب خاؤن میں موجود ہے۔ اس کتاب کا دھرن ہیئت عرب پر اثر تھا بلکہ یورپ میں محمد

وسطی اور نشاۃ جدید (Renaissance) میں فہمیت کی ابتدا و ترقی میں اس سے نہایت مدد ملی

تالیف اور دوازدہم صدی عیسوی نصف اول میں اس کے لاطینی ترجمے ہوئے اور الفاسٹو ہم نے عربی سے ہسپانوی

زبان میں ترجمہ کیا البتانی نے نہایت صحت کے ساتھ اخوان منطقہ البروج (Obliviousness of the Celestial Sphere) مقدار

سال شمسی طریقی الشمس (Solar Orbital) کو معلوم کیا اور بطلیموس کے اس رے کو نہایت قوی دلائل کے

ساتھ غلط ثابت کیا کہ اوچ الشمس (Solar Apogee) غیر متحرک ہے نیز اُس نے قزاق و دیگر سیاروں کے دور

حرکت (Orbits) کی تصحیح کی طلوع و غروب کے ساعات معلوم کرنے کے متعلق ایک نیا اور جدت کثیر قاعدہ نکالا

بطلیموس کی مقدار استقبال نقطہ الاعتدالین (Precession of the Equinoxes) کی ملاح کی

دربار میں فاضل متبحر حکیم ابوعلی مسکویہ اور طب کا فخر زمانہ عالم علی بن عباس بھی

(بقیہ حاشیہ ۱) اور مساحت کردی میں مستطیل کرہ (Orthographic Projection) کے متعلق نئے قواعد وضع کیے۔ ڈن تھارن (Dunthorne) نامی فاضل میٹ نے ۱۷۹۶ء میں بتانی کے مشاہدہ آکسوف شمس و مریخ سے حرکت کرنا اور وسط نکالا، غرض البتانی کا علم میٹ پر بڑا احسان ہے اور وہ منتخب فضلاء میں سے شمار کیے جانے کا مستحق ہے۔

۱۵۳۷ء میں یورپ میں ایک مجموعہ البتانی کا شائع ہوا تھا جس کا نام رد علم الکو اکب

(De Scientia Stellarum) تھا، یورپ میں البتانی البگنی (Albategni) اور البتینس (Albatinius) کے ناموں سے معروف تھا۔

۱۵۸۰ء فریب ابن الاعلم (متوفی ۱۵۸۵ء) نے عبد الرحمن صفونی کا معاصر تھا۔ فن میٹ میں اُس کی جداول، شہرت خاص رکھتی تھیں، مفصل حالات ہیں معلوم نہیں۔

۱۵۹۰ء ابو الحسن عبد الرحمن بن عمر الصفونی الرازی اکابر اہم بن میٹ میں سے تھا۔ اُسے میں ۱۵۹۲ء میں پیدا ہوا اور ۱۵۹۷ء میں وفات پائی۔ عبد الرحمن اور شریف و دونوں عضد الدرد کے استاد تھے۔ عبد الرحمن کیالیفات میں سے حسب ذیل تصانیف یورپ کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔

(۱) کتاب الکو اکب الثابتہ (الصور السائیہ) اس کے نسخے برلن، پیرس، آکسفورڈ، برٹش میوزیم، انڈیا آفس

سینٹ پیٹرز برگ اور باصوفیہ کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

(۲) کتاب الزمر ذکر فی مطایح الشامات۔

(۳) مدخل فی الاحکام۔ اس کے مکمل نسخے پیرس اور انڈیا آفس میں موجود ہیں۔

(۴) رسالہ فی الاصطلاح، موجودہ پیرس، باصوفیہ، سینٹ پیٹرز برگ۔

عبد الرحمن کے بیٹے ابوعلی بن ابو الحسن نے دراجوزہ نام کی ایک کتاب توابت کے متعلق لکھی تھی جس میں

حامد نجدی کا تعلق فخر الدولہ دہلوی سے تھا جس کی قدرِ علوم اور عزتِ اہل علم کی شکرگزاری (بقول نجدی) طبقاتِ علما، انکشافات و معلوماتِ جدیدہ میں اعمالِ فکر اور بذلِ جد کے ذریعہ سے کرتے تھے۔ اس کے حکم سے ماہرانِ ہدایت نے سے میں ایک صد گاہ قائم کر رکھی تھی، جہاں اُن کا جمِ غفیر ذواتِ اخلق وغیرہ آلات کی مدد سے مشاہدات کیا کرتا اور ”نیچ الفخری“ کے لیے موادِ بہم پہنچاتا تھا۔ شمس الدولہ امیرِ حمدان اور علاؤ الدولہ امیرِ صفہان کے نام بحیثیت ابنِ سینا کے اولیائے نعمت ہونے کے شہرتِ خاص رکھتے ہیں۔ علاؤ الدولہ کے علمی مذاق کی کیفیت تھی کہ ہمیشہ شبِ جمعہ کو مجالسِ علمی منعقد ہوا کرتی تھیں، جہاں وہ بنفسِ نفیس شراب ہو کر اوفضل دیتا تھا۔ صرف کثیر سے ایک صد خانہ قائم کرایا تھا، جس میں ابنِ سینا اور اُس کے شاگرد رشید ابو عبیدہ نے آٹھ سال تک مشاہدات کیے۔ متقدمین کی بہت سی غلطیاں نکالیں اور جدید معلومات بہم پہنچائیں۔

سیف الدولہ بن حمدان جس کی شان میں عربی کے شہرہ آفاق شاعر بنی نے

(بقیہ ناشیہ ۱۹) نہایت کوشش سے اشکالِ ہیئت شامل کی تھیں، اس کتاب کے نسخے پیرس، میونخ، گوتھا، بولون اور قاہرہ کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

ابوعلی مسکویہ پانچویں صدی ہجری کا مشہور طبیب، فلسفی، ادیب اور مورخ ہوا۔ ہے، ایکٹا نے میں مخلصہ الدولہ کا خزانچی تھا اور سلطانِ موصوت سے اس کے دو شانہ مراسم تھے۔ اُس کی چند تصانیف اس وقت بھی شدہ ہیں۔ ابنِ نجدان کے اصولِ شرع کے متعلق ایک فلسفیانہ کتاب بھی ہے، جو نہایت عمت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ ابنِ مسکویہ کا انتقال ۵۸۷ھ میں ہوا۔

محقق طوسی نے ابو مسکویہ کی تہذیبِ الاندلاق و تطہیرِ الاخلاق کا فارسی ترجمہ کیا تھا جس کا نام اخلاقِ مصری ہے

قصائد کہے اور جس کے دربار میں ابوعلی فارسی عرصے تک عزت و تراز رکھتا تھا اپنی علم پروری کے لیے متاخرین کی وقعت کا مستحق ہے۔ اسلام کا نامور حکیم ابو نصر فارابی، جس کے توفہ ذہنی کی مافوق فطری حالت کا اعتراف دنیا سے علم نے "معلم ثانی" کا تمغہ امتیاز عطا کر کے کیا ہے، اسی امیر کی قدر شناسی کا مرہون احسان تھا۔

وسط ایشیا کے اسی عہد سے تعلق رکھنے والوں میں ابو بکر محمد بن زکریا الرازی بھی ہے، جو طبقہ اطباء اسلام میں ہمیشہ مایہ ناز تصور کیا گیا ہے۔ نیز فلسفیان ابو نصر فارابی نے تحصیل علوم بغداد میں کی۔ بغداد سے حلب گیا جہاں سیف الدولہ کی توجہات کی بدولت تکرمعاش سے مستغنی ہو کر عدالت گرین راہ اور تصنیف تالیف میں عمر کاٹی۔ جب سیف الدولہ دمشق گیا تو فارابی کو اپنے ہمراہ لیتا گیا۔ وہیں ۳۰۰ ہجری (۹۱۲ء) میں اُس کا انتقال ہوا۔

فارابی ایک کثیر التصنیف عالم ہوا ہے اور تقدیم میں نہایت احترام اور پایہ کا شخص سمجھا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ ہم اُس کی بہت کم کتابیں پہنچیں ہیں۔ فلسفہ و منطق اور لغتوں سے ذوق فطری رکھتا تھا علاوہ ازیں اُسے موسیقی میں مہارت کامل تھی کئی راگ اُس کی طرز نمونہ میں اور فن موسیقی میں نہایت پیش قیمت تالیفات چھوڑی تھیں۔ سیف الدولہ فارابی کے فقہانے داودی کا بہت دلدادہ تھا۔ یورپ میں عہد بوطینی میں فارابی کی تالیفات منجملہ اُن کتب حکمت کے تھیں جن پر اُس زمانے کے مجاہد حکمت کا دار و مدار تھا۔

ابو بکر محمد بن زکریا الرازی (متوفی ۳۰۰ ہجری) مطابق ۹۱۲ء، اطباء اسلام میں نہایت سرباورد شخص گذرا ہے۔ فن طب میں اُس نے چھوٹی بڑی دوسو کے لگ بھگ کتابیں لکھی تھیں، جن میں سے چند ہم تک بھی پہنچیں ہیں۔ رازی ایک عرصے تک تھے چند شاہزادوں اور نجاشی خاندانوں کا امیر علی تھا، سامانی بادشاہ ابو اسحاق منصور بن سنجی کی عنایات اُس پر خاص طور پر مبذول تھیں، چنانچہ اس نے اپنی معرکہ الار (تصنیف) (تقدیم ۱۲۰۰ء)

اسلام کی مشہور عالم انجمن "انخوان الصفا" جس کے رسائل آج تک دلچسپی اور
قائدے کی غرض سے پڑھے جاتے ہیں، اسی دور کے شیدائیانِ حکمت
کی ایک بزم تھی۔

(بقیہ حاشیہ ۲۲) "متنوی" اسی بادشاہ کے نام پر معنون کی تھی۔ ابو بکر رازی کیمیا کا تہایت پرجوش حامی تھا
اور گویا اس فن کی حمایت میں اُس کی جان گئی۔ اُس نے علم کیمیا کے ثبوت میں ایک کتاب "اثبات الکیما" لکھی
متنوی کی خدمت میں پیش کی تھی۔ بادشاہ نے اُسے دیکھ کر حکم دیا کہ بعض تجربے، جو اُس کتاب میں لکھے گئے
تھے، اُس کے سامنے کر کے دکھائے جائیں۔ اتفاقِ وقت سے رازی بعض تجربوں کے سر انجام دینے
میں اُس دم ناکام رہا۔ منصوبہ جو ایک نہایت مغلوبِ الغضب شخص تھا، اس قدر ناراض ہوا کہ اُس نے بہت
زور سے ایک چابک ازی کے منہ پر مارا، جس کی وجہ سے رازی کی آنکھ جاتی رہی اور اس صدمہ سے وہ جان
نہو سکا۔ رازی کی سب سے مشہور تصنیف "الحادی" ہے جن تصانیف کے نام میں معلوم ہو سکے ہیں وہ
ہم ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:- (۱) الفصول (۲) المدخل فی الطب (۳) علل المفاصل (۴) التریاق (۵) امراض
الجلد (۶) الاقسام (۷) الافذیہ (۸) التداوی (۹) الاکسیر (۱۰) الحجر (۱۱) الترتیب (۱۲) نمکتہ الرموز (۱۳) شرف
الصناعہ (۱۴) ایمل (۱۵) الاسرار (۱۶) رسالہ الخصاصہ (۱۷) الحجر الاصغر (۱۸) الروط علی الکندی فی ردہ علی صناعہ
الکیمیا، نیز رازی کا ایک سالہ چھپک کے اوپر جس کا ترجمہ بھی یورپ میں ہوا ہے اور ڈاکٹروں میں بہت مقبولیت کی
فطر سے دیکھا گیا ہے۔ سعودی کی کتاب "مروج الذهب" کے انگریزی ترجمے (جلد اول صفحہ ۳۹۰) میں مترجم نے
ایک نوٹ لکھا ہے کہ لیڈن لائبریری میں رازی کا ایک رسالہ ہے جس کا نام "کتاب الباق" ہے جس میں اس بحث خاص
کے متعلق نہایت بیش از قدر معلومات درج ہیں۔ مترجم مروج الذهب اس کتاب کو عربی طب کی ایک اعلیٰ
یا گوار تصور کرتا ہے۔

عمردستلی میں یورپ میں رازی کی چند تصانیف ترجمہ ہو کر پہنچ گئی تھیں جنہوں نے (بقیہ حاشیہ ۲۲)

اس زمانے میں مصر میں خلفائے فاطمیہ کا دور دورہ تھا اور بلاشبہ عربی حکومتوں میں اُن کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا۔ عزیز البند ^{۳۶۵} ^{۳۶۶} ۹۵۵ھ - ۹۹۶ھ اور حاکم بامشدد ^{۳۸۰} ۱۱۸۱ھ - ۱۱۹۶ھ کے زمانے میں قاہرہ مرکز علوم تھا، جہاں حکومت کی قدروانی نے قریب بعید سے اہل فضل والاجمع کیے تھے۔ مشہور مہندسین ابن یونس ^{۳۷۴} اور ابن البندی کا اسی دربار سے تعلق تھا۔

(بقیہ حاشیہ ۲۲) علمائے یورپ میں مذاق طب میں روح پھونکی۔ ابوبکر رازی کو یہ لوگ رازد (Rasee) کے نام سے جانتے تھے۔

ابو یحییٰ بیرونی نے اپنے خط میں ابوبکر رازی کی جدتِ طبع و وحدتِ فہم اور صداقت و تبحر کا قوی الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ البتہ رازی کے فلسفیانہ خیالات کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا ہے۔

^{۳۳} ان مشہور و معروف رسائل کا زمانہ تالیف ^{۳۸۰} ۱۱۸۱ھ - ۱۱۹۶ھ سے لیکر ^{۳۸۵} ۱۱۹۶ھ تک ہے،
^{۳۴} علی بن یونس نامور متحریرین میں سے گزرا ہے۔ وہ ایک لغزگو شاعر بھی تھا، لیکن اُس کی شہرت کا مدار فنِ ہیئت پر ہے۔ اُس نے اپنے مشاہدات کے نتائج کو کچھ الحاکمی، میں جمع کیا تھا۔ یہ کتاب فنِ ہیئت کی مقبول ترین تالیفات میں سے تھی، عمر خیام اور ناصر الدین طوسی نے اپنی زیچات کے تیار کرنے میں اس کتاب کو بطور نمونہ پیش نظر رکھا تھا۔ بلکہ اس کا ترجمہ اور نقل چینی (۳۸۵ھ) اور یونانی زبانوں تک میں ہوا تھا۔ چین میں ابن یونس کے جزل جمال الدین کے ذریعہ سے پہونچی جہاں کو چوکنگ نامی چینی ہیئت دان نے اُسے چینی زبان میں نقل کیا تھا۔ ابن یونس کا ^{۳۸۵} ۱۱۹۶ھ ہجری وقت میں انتقال ہوا اور اُس کے بعد اُس کے مشاہدات کو ابن البندی اور حسن ابن الشیم نے جاری رکھا۔

ابن یونس پہلا شخص ہے جس نے پینڈولم کے حرکات کے ذریعہ سے وقت کی شمار کا حال معلوم

کیا۔ نیز اُس نے اعراضِ طریقِ الشمس (Obliquity of the ecliptic) کو ^{۲۲} ۲۲ درجہ (بقیہ صفحہ ۲۴)

دارالسلام بغداد کی اس زمانے میں جو خستہ خراب حالت تھی اُس کا حال
اوپر درج ہو چکا ہے۔ لیکن اس گئی گزری حالت میں بھی جس بغداد میں ابن سہون
جیسے سحر بیان، اور خطیب بغدادی جیسے محب وطن مومن پیدا ہوئے تھے
وہاں ہوا مجبور جیسے ہیئت دانوں کا مطالعہ فلک میں مستغرق ہونا اُس دور
کی اسلامی روح علمی کا ایک عام منظر سمجھنا چاہیے۔

ممالک مذکورہ بالا سے گزر کر جب ہماری نظر اُس محسن کش سرزمین پر
پڑتی ہے، جہاں آج وادی کبیر عربی اقبال و تمدن کی نوحہ خوانی کر رہا ہے، تو ہم
دیکھتے ہیں کہ یہ زمانہ خلافت غری کا زین عہد علمی ہے، جس کی نظیر اس قسمت
مملکت کی تاریخ میں کبھی نہ ملے گی۔ یہاں سیاسی انتزاع کا آغاز پانچویں صدی
ہجری سے ہوتا ہے، لیکن علمی ترقی و رفعت کا دور دوسرے ممالک اسلام کے
دوش بدوش ہے عبد الرحمن عظیم (عبد الرحمن ثالث)، (۳۰۰-۳۵۰ ہجری ۹۱۲-۹۶۱ء)
(بقیہ حاشیہ ۲۴) ۳۵ دقیقہ پایا، جو کہ تحقیقات جدیدہ سے قطعاً مطابقت ہے۔

یورپ کے اندر ابن یونس کی زیچ کی طرف اٹھارویں صدی عیسوی کے اخیرین لوگوں کی توجہ مبذول
ہوئی تھی۔ (Lauzean) کا سن نامی ایک فرانسیسی عالم نے سائنس میں ایڈن یونیورسٹی کے ایک قلمی نسخے
سے اس کتاب کا ترجمہ کیا تھا۔ اس میں ۲۸۰ کسوفات، ۷۰ نقطتی الاعتدالین (solstices) ایک انحراف طرقت
شمس کے مشاہدات درج ہیں۔ نیز شمس قمر کے مشاہدات کی بھی ایک جدول ہے۔

۲۵۔ دو عزیز تھے جن کے نام علی ابن اجمور اور ابو الحسن علی بن اجمور ہیں۔ ادا حسن
چارم صدی ہجری میں انھوں نے حرکات قمر کے متعلق قابل قدر تحقیقاتیں
کی تھیں۔

کا نام اور سپوت حکم ۳۵۶-۳۶۶ ہجری ۹۶۷-۹۷۷ء اسی دور کی دایہ کی گود میں پلا
اور مورخ یہ حق نہیں رکھتا کہ اُس کے ضرب اشل علمی مشاغل اور فضل و تبحر کو عام
اسلامی مذاق سے کوئی ستیائز شے تصور کرے۔ یہ سچ ہے کہ حکم ثانی اپنی معاصر
میں بلحاظ ذوق علوم سب سے فائق تھا اور اُس کا جمع اور مطالعہ کیا ہوا
کتب خانہ بلحاظ انتخاب و شمار کتب اپنی نظیر نہ رکھتا تھا، لیکن جو درخت شدہ
عہد مورخ کے پیش نظر ہے۔ اُسے دیکھتے ہوئے وہ حکم کی مثال کو محیر العقول
نہیں سمجھ سکتا۔

اندلسیہ عظمیٰ میں اس زمانے میں علوم حکمت نے ایسی ترقی کی تھی کہ
ایک وقت اُس کے مقابلے میں حکومت اور غصب کی اُٹل کو ششیں سوا
بے سود ثابت ہونے کے کچھ نہ کر سکیں۔ یہی زمانہ تھا جب اسپین نے مہیت
میں وہ ترقی کی، جو اُس سے پہلے اور اُس کے بعد وہاں کے ارباب فضل کو
سیمیر نہیں آئی۔ خلافت غزنی کے سب سے مشہور مہیت دان، مسلمہ المجریطی (متوفی

۳۵۷ھ) المستنصر بالله الملقب بہ حکم ثانی (انصر الدین ابو عبد الرحمن ثالث) کا بیٹا تھا۔ اُس کا علمی شوق تاریخ

اندلس میں شہرت عام رکھتا ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ اُس نے اپنے عظیم الشان کتب خانے میں چار لاکھ کتابیں
جمع کی تھیں اور تقریباً سب کو مطالعہ کیا تھا اور سب پر ہمتی حواشی اپنے ہاتھ سے لکھے تھے۔ دُنیا میں اُس کے یہ کتب کتابا
کو تلاش کرتے پھرتے تھے اور مصنفین سے قبل تصنیف فرمائش کی جاتی تھی کہ وہ جس پہلانہ اپنی تالیف کا غلطہ کے
کتب خانے کے لیے دین چنانچہ کتاب الافغانی کے مصنف بلخی اپنی کتاب پہلانہ حکم کی تذکر کیا تھا اور پیش و بعد پہلانہ تھا۔
۳۵۷ھ مسلک ایک جامع العلوم و فنون شخص تھا اُس نے مالک اسلامیہ میں غیب سیاحت کی تھی اور رسائل اخوان اصفہا کو
لاکر سب سے پہلے اندلس میں اسی نے شائع کیا تھا۔ گیمیا میں ہمارے ہاتھ کھتا تھا اور اس علم میں، اکثر افضال ایک کتاب لکھی تھی

۹۹۰ھ ہجری - ۱۵۸۰ء (ابن اسحق) متوفی ۲۲۶ھ ہجری - ۱۳۸۹ء عیسوی،
 جابر بن اسحق (متوفی ۲۲۶ھ ہجری - ۱۵۸۰ء) اور الزرقانی (جو پانچویں صدی
 کے اواخر میں اسپین کا نہایت نامور ماہر طبیعت گذرا ہے) یہ وہ لوگ ہیں جو
 مسلمانوں کے واسطے ہر زمانے میں مایہ ناز تصور کیے جائیں گے، اور دنیا کے
 تمدن جن کی ہمیشہ رہیں منت رہے گی۔ یورپ میں علم طبیعت کی اشاعت اور
 اور جدید طبیعت کے آغاز و بنیاد کا باعث یہی اساتذہ فن تھے۔ انھوں نے وہم
 (۱۲۵۲-۱۲۸۲) شاہ کسٹائل (اسپین) کی لاطینی جد اول نجوم جن کی بدولت یورپ
 مبادی طبیعت سے روشناس ہوتا تھا، وہ جزاً و کلاً اساتذہ اسلام کی خوشہ
 چینی کا نتیجہ ہیں۔

اسی بے نظیر دور کے اواخر سے تعلق رکھنے والا اندلس کا تفسیر فیصل

۱۲۸۹ھ - محمد دسویں جابر کا نام یونانی و لاطینی جبر فیصل (Geber's Philosophy) تھا
 اُس کی کتاب "اشکات الکریم" کا یورپ میں ترجمہ ہوا تھا۔

۱۲۹۰ھ - الزرقانی علمائے طبیعت میں عزا قیاز رکھتا ہے۔ وہ شاہرہ ذہن غریزہ مولیٰ استفراق رکھتا تھا۔ کہتے
 ہیں کہ صرت اور شمس کی دریافت کے لیے اُس نے چار سو دو شاہدات کیے تھے اور استقبال افتاء لاعتدالین
 کے متعلق نہایت صحیح مقدار دریافت کی تھی۔

اس کے علاوہ الزرقانی در خاص شہرت آلات طبیعت کے ایجاد سے تعلق رکھتی ہے۔ رامون شاہ طلیطلہ
 دانت اُس نے "سطلاب" نامی ایک جادو کی تھی۔ دنیا میں سب سے بہتر صطلاب وہ تھی جس کا شبیلیہ کے بادشاہ
 معتصم بن بخاری نے امر پر انبیا دیہ نام رکھا۔ لیکن ماہرین طبیعت میں یہ صطلاب "سفیر الزرقانی" کے نام سے
 معروف ہے۔ یورپ والے اسے "سفاکا" (Saphaca) کہتے تھے۔

ابن صالح اندلسی تھا جس کے تذکرے کے لیے بلاشبہ دفتر کے دفتر دار ہیں جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں اندلس میں اقتدار سلطنت کا آغاز پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں واقع ہوا۔ شرقی ممالک کی طرح جا بجا چھوٹی چھوٹی خود مختار اور آزاد حکومتیں قائم ہو جانے پر علمی مشاغل کے مرکز نقل جدید

نٹ مبداء فیض سے ابن صالح کو وہ داعی و ذہنی اوصاف عطا ہوئے تھے، جن کا ایک شخص کی ذات میں جمع ہونا حیرت کا باعث ہوتا ہے۔ اٹھارویں صدی کے مشہور جرمن فاضل گیتے (Goethe) کی اہمیت مشہور ہے کہ اس کا دماغ ایسی مختلف النوع خواص کا مجمع تھا، جو فرد واحد میں نادر ہی پائے گئے ہیں لیکن ابن صالح کی ہمہ گیر طبیعت کو دیکھتے ہوئے گیتے کی وسعت دماغی کی کچھ حقیقت نہیں رہتی اور علی بن عبدالعزیز امام غرناطہ کے اس قول سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ "ابن صالح عجیب و غریب تھا، ابن صالح جیسا کہ میں تھا ایسا ہی حیرت انگیز حافظہ رکھتا تھا۔ و طبیعات، مابعد الطبیعیات، ریاضی، ہیئت نجوم، طب، جغرافیہ وغیرہ علوم حکمت میں ذرہ بذر دستگاہ کامل رکھتا تھا بلکہ اس نے اپنے استاد و اجتہاد سے اپنا نام صدر حکماء عالم میں لکھا یا ہے تمام تاریخی روایات ہم زبان ہیں کہ ابن صالح طب اور فلسفے میں استاد و الاساتذہ مانا جاتا ہے، مابعد الطبیعیات سے عجیب و غریب اصول اور لطیف مسائل استنباط کر کے اصول طب سے مطابقت کی اور طبیعیات و طب کے اعمال میں بہت کچھ وقت نظری کا ثبوت دیا علوم حکمت میں شہر کی کیفیت تھی لیکن انشاء و ادب کے میدان میں بھی اس کی طبیعت کی ایسی ہی جولانی تھی۔ عربی ادب میں ابن صالح کی انشا پر از و شاعری کو بے بدل تصور کیا جاتا ہے اور مورخین کا بیان ہے کہ وہ عربی میں ابن صالح ماہر نگار تھا۔ وہ حافظ قرآن بھی تھا۔ غرض ابن صالح طبیب تھا فلسفی تھا، ماہر ریاضی تھا، شاعر بھی تھا اور فنی سلیقہ میں بھی مشہور و معروف تھا۔ لیکن اس سے بڑھ کر یہ لطیف کی بات ہے کہ میدانِ عمل کا بھی وہ پورا شہسوار تھا، ابتدا میں اندلسیہ غزنی کے حکم امیر ابو کرد و بعد میں یحییٰ بن سعید اشعقین فرمان رواے اندلسیہ غزنی کا (میرزا) تھا۔

قائم شدہ ریاستوں کے دارالحکومت قرار پائے۔ قریباً، شیلیہ، غنائہ، طلیطلہ وغیرہ نے ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر علم پروری کا ثبوت دیا۔ جا بجا مدارس علوم اور کتب خانے قائم تھے، جہاں ہر فن کے ماہر اور متلاشیان علوم اپنی پیال بچھاتے اور دوسروں کو سیراب کرتے تھے۔ علم طب میں اندلس کے اطباء کی جدید معلومات نے اتنا اضافہ کیا، جتنا جالینوس کے عہد سے اُس وقت تک ہوا تھا۔

فنونِ حکمت کے سوا، ادب کی یہ حالت تھی کہ یورپ میں کبھی ایسا زبانہ نہیں ہوا جب شاعری کو ایسی قبولیت عامہ نصیب ہوئی ہو جیسی کہ اُس زمانے میں۔ یہ وہ عہد تھا، جب ہر طبقے کے لوگ عربی میں اُس انداز کے اشعار موزون کرتے تھے جو ہسپانوی اور اطالوی مطربوں کے لیے نمونہ ہوتے اور جن کی تقلید وہ اپنے گیتوں اور نظموں میں کرتے تھے۔ کوئی تقریر یا مکالمہ اس وقت تک مکمل نہ ہوتا تھا جب تک ایک آدھ بیت فی البدیہہ خود موزون کر کے یا موقعِ مجلس کے لحاظ سے کسی بڑے شاعر کے کلام میں سے لیکر استعمال نہ کی جاتی،

اور بقید حاشیہ: وزیرِ ہا اور اُس کا عہد وزارت ملا اور اسپین کی تاریخ میں ہمیشہ عدل و انصاف کے واسطے زبانِ عوام تھا۔ ماسدوں نے ذہن دیکر ایسے فاضل سے دنیا خالی کر دی۔ سندہ ولادت معلوم نہیں ہے فیضِ مینا سہ ہجری میں انتقال کیا یورپ میں ابنِ صالح (venpacc) کے نام سے معروف ہے جو عہدِ وسطیٰ کی یادگار ہے۔

۱۲۴۱ء میں پول تاریخ اسپین ص ۱۲۴

۱۲۴۱ء

افریقیا سے اسلامی میں سیوط، تنجہ، فیض، مراکش، کناسہ، طلمسان، قیروان وغیرہ جہان کم و بیش خود مختار حکومتیں قائم تھیں، میدان علم میں قرطبہ و غرناطہ کی حریت تھیں وہاں سے بڑے بڑے اُستاد نکلتے تھے، جن کی قدر شرق و مغرب میں ہر جگہ ہوتی تھی۔

جس شان دار حالت کا ہم نے اوپر ایک سرسری اور نا کمل خاکہ کھینچا ہے وہ پانچویں صدی ہجری کے بعد کچھ زیادہ نوں تک قائم نہ رہی مغرب میں ابن طفیل، ابن رشد، ابن زہر، ابوالقاسم اور ابن بطیار وغیرہ کے سدا زندہ رہنے والے ناموں پر ایسا پردہ پڑا کہ پھر نہ اٹھا۔ مشرق نے عمر خیام و محقق طوسی کے

۳۳ ابن باقیل وغیرہ تمام اندلس کے اہل فلسفہ اور طبیب ہیں۔ عمد وسطیٰ میں یورپ میں ابن رشد اور زور (Averroes) ابن زہرا دین زور (Averroes) ابوالقاسم البکرسیس (Albucaiss) اور ابن بطیار ادین بطیار (Aven Bellah) کے ناموں سے مشہور رہے۔

۳۴ عمر خیام ۴۰۸ھ - ۴۸۰ھ ہجری ۱۰۱۹ء - ۱۱۲۳ء کی رباعیات اس قدر شہرت رکھتی ہیں کہ اُس کے شاعری کی بابت کچھ کہنا فضول ہے البتہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ فلسفی اور شاعر ہونے کے ساتھ علم سلطنت میں بھی دستگاہ رکھتا تھا سال شمسی کی مقدار جو خیام نے معلوم کی وہ نہایت صحیح اور متقدمین میں سب سے بہتر ہے۔ یعنی خیام کی تحقیقات سے سال شمسی ہوتا ہے (۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ کا اور تحقیقین بحال کی تحقیقات کے رو سے ہوتا ہے (۳۶۵، ۲۶۵ روزہ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۸ سیکنڈ کا۔

۳۵ خراج نصیر الدین معروف بمحقق طوسی ۵۹۰ھ - ۶۴۲ھ ہجری ۱۱۹۲ء - ۱۲۴۲ء متقدمین حکماء اسلام میں سے تھا۔ نصیر الدین طوسی کی خاص شہرت کا باعث علوم ریاضی ہیں ۶۵۰ھ ہجری ۱۲۵۲ء میں ملا کو خان کے حکم سے مراغہ میں ایک صد گاہ قائم ہوئی تھی، حسان محقق مذکور نے تراویح و زیارات و زیارۃ الیہ کی تھی (تذیب صفحہ ۳)

نام پر ایسا نطوبہ اختتام پڑھا کہ پھر وہ صورتیں اور وہ مجلسیں نظر آئیں۔ اس علمی اقد کے زوال و انتزاع پر غور کرنا، ہر لحاظ سے دلچسپ اور مفید ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ایسی بحث ہے، جو ہماری موجودہ بحث کے دائرے سے خارج ہے اور سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ اسے کسی دوسرے وقت کے لیے اٹھا رکھیں۔ بہر حال ایک دفعہ ان خطا اور انتزاع کے اسباب کا غالب آنا تھا کہ دوبارہ اسلام کو وہ بے نظیر زمانہ دیکھنا نصیب نہوا، بلکہ انقلاب پسند زمانے نے اُس دور کے آثار کو بھی ایسا ملیا ملیت کر دیا کہ اب اس عالمگیر اسلامی ترقی کا کل تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہزار ہائے دل میں یہ اُسنگ پیدا ہو کہ اس علمی زمانے کی جی بھر کے سیر کریں اور امتداد زمانہ کی تاریکی سے نکل کر اُس روشن زمانے میں جا پونچھیں، لیکن موافق اسباب کا دروازہ ایسا بند ہوا ہے کہ اس آرزو کا مہد اُس کا مقرب بن جائے۔

سامانیہ، ولیمیہ اور سلجوقیہ کی طرح جرجان، خوارزم اور غزنی کی حکم متین بھی جن کا اس دور سے واسطہ ہے، علم پروری میں کسی سے پیچھے نہ تھیں۔ لیکن افسوس آج ہمارے ہاتھوں میں اُس زمانے کے فضلاء کی تصانیف کے ذخائر موجود نہیں ہیں بلکہ اُن لوگوں کے نام بھی نامعلوم ہیں۔ یہ افسوسناک حالت دیکھ کر ایسا غم و غصہ کرتے وقت بالخصوص پیش آتی ہے۔ عہدِ بعد میں وسط ایشیا میں یا ہونے والے سیاسی طوفان بے تمیزی اور

بقیہ حاشیہ ۳۵: حضرت متاخرین کا دار و مدار عہدِ بعد میں صرت ذیلچ اٹھائی اور نیچ الخ بگی (ترتیب ۱۳۱۵) پوری ۱۳۱۵

پروردہ گیا تھا۔ الخ بگ کے اوپر گواض ہست کا علمی شوق مسلمانوں میں ختم ہو گیا۔

اس سے پیشتر چھٹی صدی میں انقلاب خیالات نے جو معرکہ مذہب فلسفہ کے باعث پیدا ہوا، علمی تصانیف اور علمی روح کو بڑا صدمہ پہونچایا اور مذاق علمی میں بڑا ملامت پیدا کر دیا، تعصب، جہالت اور یہ اعتنائی کے اوپر غلبہ جنگیں دہلا کر نے علمی ذخائر کی تباہی مبرا دی کے دوسرے وجوہات پیدا کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت ہمارے ہاتھ میں جو تواریخ اور تذکرے موجود ہیں، اُن میں بھڑان، شعر کے، جو بادشاہوں یا امیروں کی شان میں تصدیقے کما کرتے یا گل و بلبل اور نائے و نوش کے مضامین باندھنے میں اپنی عمر بھرت کر دیتے تھے دیگر کلام عمدہ کے حالات مفقود ہیں، مقامات خواجہ ابونصر مشرکانی، بلقات بیہقی، تواریخ ملاح محمد غزنوی، تواریخ محمد وراق اور دیگر تاریخی کتابیں جن کی مدد سے غالباً اُس زمانے کی علمی تاریخ کا تھوڑا بہت پہ چل سکتا، نابود ہیں جو تاریخیں اور تذکرے دو چار صدی بعد کے لکھے ہوئے ہیں وہ چند تاریخ متبرنین اور اکثر فقہان مذاق اور قلت مواد کے باعث متلاشی کی مایوسی کا باعث ہوئے ہیں۔

آہ زمانے سے بڑھ کر کوئی بھولنے اور بھلا دینے والا نہیں۔ دنیا کے آئینچ پر خدا جانے کتنے لوگ آئے جو شہرت کے سہان پر چاند سورج ہو کر چلے لیکن غور کر و کتنے ایسے ہیں جن کی کرنیں اب بھی نور افشان ہیں بلاشبہ بڑے خوش نصیب ہیں وہ جنہیں کسوف و خسوف کے بعد بھی شہرت و دام کے فلک المافلاک پر چمکنا نصیب ہو جائے۔

اگر یہ سچ ہے تو بلاشبہ وسط ایشیا کا وہ فاضل متبحر بڑا خوش قسمت ہے

جو صدیوں گنج گمنامی میں زندگی بسر کرنے کے بعد اس زمانے میں شہرِ موم کے خلعت سے سرفراز ہوا ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے کوئی نہ جانتا تھا کہ جو تھی پانچویں صدی کے زرین عہدِ علمی میں بیرونی کی شخصیت کیا مرتبہ رکھتی ہے، اب دنیا کے تحقیق کے ہر گوشے آواز آرہی ہے کہ اُس فضاے علم میں وہ شمسِ منیر ہے اور دنیا کی علمی تاریخ میں معدودے چند افراد اُس کی ہمہری کے مستحق قرار پاسکتے ہیں۔ یا تو البیرونی کے نام سے کان بھی نا آشنا تھے، یا اُس کے تبحر و کمال کا ایسا سکہ بیٹھا ہے کہ ایک اُس مصنف کے لیے جو اسلامی تاریخِ علمی پر قلم اٹھانے ناممکن ہے کہ اُس کا نام نظر انداز کر جائے۔

بے شک بیرونی کی سوانحِ عمری پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے، موجودہ تواریخ اور تذکروں سے اُس کے حالاتِ زندگی پورے طور پر معلوم نہیں ہو سکتے اور اُس کی کثیر التعداد تصانیف میں سے بھی چند باقی رہ گئی ہیں، لیکن جو کچھ موجود ہے، وہ اُس کا آتھاقِ فضیلت ثابت کرنے کے لیے کافی اور کافی ہے،

(۳)

گرداب حوادث سے بچ کر کنار عافیت آگئے والے آثار میں ایک رسالہ ہے جو نو سو سال خمول گنہامی میں رہنے کے بعد ہمارے زمانے میں تلاش آثار کی جستجو سے روشنی میں لایا گیا ہے۔ یہ ایک خط ہے جس کا بھیجنے والا ابوریحان بیرونی تھا۔ رہتی دنیا عالم علم میں یہ مکتوب و کچپی کی نظر سے پڑھا جائے گا۔ لکھنے والے نے اپنے ایک دوست کے نام لکھا تھا اور اُس میں دوست کی فرمائش کے جواب میں اپنی اکثر تصانیف کی فہرست دی تھی، جنہیں ۲۱ کتبہ ہجری، یعنی اُس خط کے لکھنے کے وقت تک حوالہ قلم کیا تھا۔ فہرست کتب سے پہلے لکھا ہے کہ ”اس وقت میری عمر ۶۵ سال اور بحساب شمسی ۶۳۱ سال کی ہے“، اُس طرح خود بیرونی کی زبانی اُس کا سنہ ولادت ۶۲۱ کتبہ ہجری معلوم ہو جاتا ہے، لیکن تاریخ ولادت کی توضیح ابواسحق ابراہیم بن محمد الغضنفر التبریزی کے رسالہ ”المشاطمہ لرسالہ الفہرست“ سے ہوتی ہے، جو بیرونی کے مکتوب مذکور کی شرح کے طور پر لکھا گیا تھا۔ الغضنفر کہتا ہے۔

”الامام شیخ، استاد رئیس، حکیم برہان الحق، ابی الریحان محمد بن احمد البیرونی ۳۰۰۰۰۰۔ ذی الحجہ پختنبہ کے روز جمعہ کے وقت ۶۲۱ ھ میں خوارزم میں پیدا ہوا۔ اس رسالے کی نقل یورپ میں موجود ہے۔“

شمارے اس سنہ کے ایک لاکھ اٹھائیس ہزار و سو چون دن ہوتے ہیں
دوسرے مطابق تاریخین نو ہزار و سو و پندرہ فارسی (دیر و جدوی) اور ہم۔ ماہ
ایلول ۱۲۰۰ یونانی (اسکندری) ہیں۔ یونانی سنہ کے دن کا شمار چار لاکھ
اڑسٹھ ہزار نو سو پچپن ہے۔ اس کے بعد لغضنف نے زائچہ لکھا ہے۔ حساب
لگانے سے یہ تاریخین ۴۰۰ ستمبر ۱۲۰۰ء کے مطابق ہوتی ہیں جیسا کہ بعض
مورخین نے صراحت کی ہے اور نیز البیرونی کے نام سے معلوم ہوتا ہے
اُس کا مولد خوارزم خاص نہ تھا، بلکہ نواح و مضافات خوارزم میں ایک مقام تھا
جس کا نام بیرون تھا، افسوس ہے کہ نہ اُس مقام کی طرف منسوب ہونے والے نے

بیرونی کے وطن کے تعلق ایک حصے تک تحقیق کو اختلاف رہا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ بیرونی کا مولد
سندھ تھا، مثلاً مولوی عزیز رضا صاحب مرحوم بھی اسی قول کے قائل تھے۔ لیکن نہایت کامل تحقیقات سے یہ بات
پاؤں ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ بیرونی خوارزم ہی میں پیدا ہوا اور وہیں نشو و نما پائی۔ اس میں اختلافات کی قطعاً گنجائش
نہیں ہے۔ عربی اطمینان کے لیے ہم نہایت اختصار کے ساتھ اس بحث کو یہاں لکھ دیتے ہیں۔

دراصل شہد کہ یہ بیرونی کہ شمس الدین محمد بن محمود شہر زوری نے نہ تھا، الارج و روضۃ الافراح نے
تواریخ الحکماء المتقدین و المتأخرین، میں بیرونی کے ذکر میں غلطی سے یہ لکھ دیا تھا کہ بیرون سندھ میں ایک شہر
ہے۔ ابن ابی اصیبعہ و حشہ ۱۶۶ ہجری نے شہر زوری کی تقلید کی ہے اور شہر زور خجراتی ابو الفدا نے ابن حبیہ کی سند
پر اسی قول کو تحریر کیا ہے۔ ایم رینڈ ایک فرانسیسی متشرق نے جس نے سب سے پہلے بیرونی کی کتاب الہند کے
دو ایک ابواب کا ترجمہ کر کے علماء سے یورپ کو بیرونی کی طرف متوجہ کیا تھا، ابو الفدا کی سند پر بیرونی کو سندھ کا باشندہ
خیال کر لیا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ بیرون سندھ میں کبھی کوئی مقام تھا بھی یا نہیں۔ سندھ کی تاریخ کے مطالعہ
سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں ایک مقام تھا، جس کا نام بیرون و النون تھا اور جو دریائے سندھ کے (بقیہ صفحہ ۳۵)

اپنے وطن عزیز کے حالات ہمارے لیے چھوڑے ہیں، اور نہ کسی مونی نے اُس کا

(بقیہ حاشیہ ۲) مغربی کتابے پریدیل اور منصورہ کے درمیان واقع تھا۔ چنانچہ ابن حوقل جزائری کی کتاب المسالك کے ایک قدیم نسخے میں جو لکھنؤ میں موجود ہے، سندھ کا ایک نقشہ دیا ہوا ہے، جس پر بیرون کا موقع محل کا نشان لگا ہوا ہے۔ کپتان مکروڈ (Mac Murdo) ایلیٹ (Elliot) اور دیگر گریہ تحقیق نے کافی چھان بین کے بعد ثابت کر دکھایا ہے کہ یہ مقام بیرون بالنون ہے نہ کہ بیرون الباء۔ اس کی تفصیل ایلیٹ پڑوسن کی ضخیم تاریخ ہند جلد اول میں موجود ہے اور جلد دوم میں بھی ذکر آیا ہے۔ دراصل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے بیرون کو سندھ کا ایک مقام بتایا ہے انھوں نے اس نام کے پڑھنے میں غلطی سے نون کی جگہ با پڑھ لیا ہے۔ مثلاً ابوالقدانے سندھ کے بارے میں ابن حوقل وغیرہ سے اپنی معلومات ماخوذ کی ہیں اور ایسی سختی میں اس قسم کی غلطی کا ہونا ایک بہت معمولی بات ہے۔

اب اُن تاریخی شہادتوں میں سے چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں جن میں بیرونی کو صاف صاف خوارزمی بیان کیا گیا ہے۔ اسماعانی نے کتاب الانساب (کتاب سچری) میں، جو علماء و مصنفین اسلام کے تذکرے میں ایک نہایت مستند کتاب ہے لکھا ہے:-

”البيروني لفتح الباء الواو ده وسكون اليا، الآخر اخوت وضم آخر بانون، في النسبة الى خارج خوارزم فان ههنا من يكون من خارج البلد وكون من نفسه ما يقال له، فلان بيروني است ويقال بلغهم (نیز کہ است) و مشہور و بذا النسبت ابوریحان الخم البيروني، جس کا مطلب یہ ہے کہ بیرونی کے معنی باہر والے کے ہیں اور اس نسبت سے اہل خوارزم اُن لوگوں کو موسوم کرتے تھے جو خاص بلد خوارزم کے باشندے ہوتے تھے بلکہ خارج خوارزم کے رہنے والے ہوتے تھے، اہل خوارزم کے نسبت میں انھیں انیز کہ بھی کہتے تھے۔ اسی نسبت سے ابوریحان بیرونی مشہور ہے۔

حاجی خلیفہ اپنی مشہور تصنیف ”كشف الظنون عن اسامي المكتبة الفنون“ میں بیعت علم الانباری کی

مرقع کھینچنے کی تکلیف گوارا کی ہے۔ وطن کا کیا ذکر اس کے خاندان کا حال
تعلیم و تربیت کی کیفیت، اور عالم طفولیت کے واقعات، جو ہمارے زمانے کے
سوانح نگار کے لیے اس قدر قیمتی اور دلچسپ معلومات ہو سکتی ہیں اور جنہیں
مقدمین نے شاذ و ہی قابل التفات تصور کیا ہے، ان میں سے کسی کا کچھ
پتہ نہیں لگتا۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ یہ ہونہار بچہ کس گھر کا چراغ تھا، کن گودوں
میں پلا، کن رفیقوں کے ساتھ کھیلا، کن صحبتوں میں بیٹھا اور کن استادوں کے

(بقیہ حاشیہ ۲) کتاب آثار الباقیہ پر حسب ذیل تبصرہ کرتا ہے:-

«الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ فی النجوم والاربع مجلد اول، المحمد المتعالی عن الاضداد، للشیخ العلامة
ابن الریحان محمد بن احمد البیرونی الخوارزمی المتوفی بعد مائتین اربع مائت و ۹۰، دیرون بالبادوالنون بلدہ فی السندکما
فی العیون الانادیعون الانباء فی تاریخ اطباء ملکہ ابن ابی اصیبعہ، وقال السیوطی ہوا لفارسیۃ البرزنی نسبی۔ لکن
قلیل المقام بخوارزم دالہا شیخون الغرائب ہذا الاسم، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی خلیفہ خود دیرونی کے
خوارزمی ہونے کا قائل ہے چنانچہ وہ بیرونی کو خوارزمی ہی لکھتا ہے اور گواہ ابن ابی اصیبعہ کا قول اس کے سند پر
ہونے پر نقل کر دیتا ہے لیکن علامہ سیوطی کی سند اس کے خوارزمی ہونے کے بارے میں پیش کرتا ہے۔ ان پر
بطور کمر لٹھنفر ۶۳-۶۹۲ ہجری کا قول ہے جو قس میں نقل ہوا ایک روسی تاریخ نامی نے زیو یوریشین
۸۷۶ء میں لکھا ہے کہ شہدائے عین بخارا کے دو حصے تھے دو اندرون بخارا، اور دو بیرون بخارا، اور
الہیادری نے کتاب الفتوح میں لکھا ہے کہ اس کے دو حصے تھے، دالمہ نیتہ الفارجہ، اور المذنیۃ الداخلہ،
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وسط ایشیا میں بڑے شہروں کی تمام طور پر اس طرح تقسیم کر دی جاتی تھی کہ حوالی شہر
کو اس شہر کے بیرونی حصہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ ان خارجی شہادتوں سے بڑھ کر وہ داخلی شہادت
سے جو بیرونی کی کتاب آثار الباقیہ کے مطالعہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کتاب کا پڑھنے والا (بقیہ جوفتوح ۳)

سامنے پہلوئے شاگردی ہو گیا۔ ہاں اُسکی تصانیف پڑھ کر ہم اتنا یقین کیا تھا کہ سکتے
ہیں کہ اُس کا خاندان عجیب تھا اور غلبہ خالص خوارزمی۔ اُس کے گھر سے
سے گھر، جنابت اور فطری رجحانات اُس کی قومیت کو پورے طور سے ظاہر
کرتے ہیں۔ خوارزمیوں کی اُسے ہر ہر ادا پسند ہے۔ عجیبوں کی علم و فراست کا

(بقیہ جاشیہ ۲) ایک لمحے کے لیے بھی نہیں مان سکتا کبیر و فی خوارزمی نہ تھا یا اُس نے کبھی سندھ کی صورت بھی
دیکھی تھی۔ طوالت کے خوف سے استنباطِ قہر مات و داخلی کو ظلم انداز کیا جاتا ہے۔

سطور ماذیل اقتباس کو تمثیل پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں :-

اگر (عہدِ جہالت کے) عربوں کے کو اکب نابتہ کے ناموں میں تامل سے کام لو گے، تو تھیں معلوم
ہو گا کہ وہ برج اور ستاروں کی شکلوں سے صحیح علم سے دور تھے۔ اگرچہ ابو عبد اللہ بن مسلم بن قتیبا الجلی نے اپنی
تمام کتابوں، خصوصاً دو کتاب فی تفصیل العرب علی الجہم، میں نہایت طوالت کے ساتھ اہل عرب کی اہل عجم پر فضیلت
ثابت کرنی چاہی ہے اور عربوں کو دنیا کی ساری قوموں میں ستاروں اور ان کے نکلنے اور ڈوبنے کے علم میں
سب سے بڑھ کر واقع بتا رہا ہے، میں نہیں جانتا کہ وہ ناواقف تھا یا تجاہل سے کام لیتا تھا کہ تمام مواضع اور یہاں کے
کاشفکار دن اور کسانوں کو کھیتی باڑی کے کاموں کے آغاز اور اس قبیل کے دیگر اوقات کا علم ہوتا ہے، اس لیے
کہ جس کی چھت آسمانوں کے سو کوئی دوسری چیز نہ ہو جس کے اوپر ستارے ایک نظامِ داد و دھنچکتے اور ڈوبتے
ہوں وہ اپنے تمام اسباب کی ابتدا انھیں پر موقوف رکھے گا اور اوقات وغیرہ معلوم کرنے میں ان سے مدد لے گا
..... جب تم گت لانا اور خاص کر قتیبہ کی کتاب کو جو علمِ مناظر النجوم پر ہے، اور جس کے بعض مقامات اخیر
کتاب میں مذکور ہوئے ہیں، ملاحظہ کرو گے تو معلوم ہو گا کہ (قدم) عربوں کو اس علم میں اس سے زیادہ کچھ بھی معلوم
نہ تھا جنہاں ملک کے کان کو معلوم ہوتا ہے۔ لیکن قتیبہ نے انہیں بائیسین بیت افراط سے کام لیا ہے اور
ہیڈری پن لینے استبدادِ ادراعی کا اظہار کیا ہے۔ اُس کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُسے اہل غار سے

عج خون ہے اور اُن پر فوقیت کا اظہار کرنے والوں سے خواہ وہ عرب ہی
کیون نہوں، بحث مباحثہ اور قائل مقول کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ نظر
آتا ہے۔ وطن کی گزشتہ عظمت کا حسرت سے ذکر کرتا ہے اور خوارزم کی تباہیوں
سے جو فتح خوارزم کے وجہ سے وقوع میں آئیں، اُس کی آنکھیں پر غم معلوم
ہوتی ہیں۔ اگر ہمدردی کا میلان اور جوش کا توج خون کے میل کا پتہ دے
سکتے ہیں تو نوجوان بیرونی کی آثار الباقیہ صاف گلے پکار رہی ہے کہ اس کا
کھنے والا نسل کا عجمی ہے اور اپنے نسب پر فخر کرنے والا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ بیرونی کا گھرانہ متمول اور دولت مند تھا۔ اُس کے
نان باپ کے یہاں زور و جواہر کے انبار اور عیش و عشرت کے سامان بجا مالدار
والدین کے بے حد و نہایت لاڈلویا رکے ساتھ، اولاد کی تربیت و تعلیم کے
حق میں اکثر مضرت ہوتے ہیں، مفقر دتھے۔ اگر ایسا تھا تو کچھ تعجب نہیں کہ
غریب مگر ہونہار بچے نے اولیا کی تحریص پر غیب اور اپنی مافوق الفطرۃ ہوشمندی
سے فضل و کمال حاصل کرنے میں جد و جہد و موفوری کی تاکہ عزت و شہرت کی

(فقہ حاشیہ ۳) عدوت تھی، اس لیے کہ وہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتا کہ عربوں کو فارسیوں پر فضیلت دے بلکہ اُن کو ساری
دنیا کی قوموں میں ذیل و ذلیل اور خستہ بناتا ہے اور کہتا ہے کہ اہل فارس معادۃً اسلام میں اُن بہ دون سے بھی بڑھے
ہوئے تھے، جن کا سودہ تو یہ میں ذکر ہے، غرض قتیبہ اُن کی طرف طعنے کا قباغ منسوب کرتا ہے، بکاش اُس نے
تھوڑے سے طعنے کا کام لیا ہوتا اور اُن لوگوں کی اوائل ایام کا خیال ہونا چھین اہل فارس پر فضیلت دی ہے تاکہ
اپنے قول کی تائید کے لیے قتیبہ قدسی کا حال معلوم ہو۔ آثار الباقیہ صفحہ ۲۳۸۔

۱۰۰ دیکھو آثار الباقیہ صفحہ ۲۳۸۔

لازوال دولت ہاتھ لگے۔ خود بیرونی نے الٹا زمین اپنے ولی نعمت شمس
المعالی کو مخاطب کر کے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے اس کی مالی
بے بضاعتی پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

”اس موقع پر مجھے اپنی زندگی کا ایک واقعہ یاد آگیا جو احمد بن حنبل
کے اس کلام کا مصداق ہے۔

قد قیل فیما مضی حکمہ مالہ العیال ابدا صغریہ

تھکھلے زمانے کے ایک حکیم نے کہا ہے کہ انسان کی زندگی وہ چھوٹی چیز ہے

فقلت قول امرء ابید مالہ العیال ابدا دھمیرہ

میں نے کہا کہ بھلائی کی طرح یہ قول پیش کرتا ہوں کہ انسان کی عزت اور پسینہ سے ہے

من لم یکن معہ درہما

اگر اس کے پاس دو درہم نہ ہوں تو اس کی عروس بھی اس کی طرف متفق نہیں ہوتی

وکان من ذلہ حقیرا

اپنی تنگ دستی سے حقیر ہو جاتا ہے اور لوگوں کی باتیں بھی اس پر گہرائی ہیں

جب میں حضرت عالی سے خدا تھا اور خدمت شریف کی سعادت سے محروم
اُس وقت شہر کے میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو وہاں کچھ چوٹی کے
منجین میں شمار ہوتا تھا لکھا ہے کہ ایک مسئلہ ہیئت میں میں نے اس سے
اختلاف کیا، شخص مذکور سخت ناراض ہوا اور اگرچہ علوم میں مجھ سے بہت
پست مرتبہ تھا، اس نے میرے قول کی تکذیب و اہانت کی اور خشنود
پیش آیا اور طوالت کے ساتھ اُس فرق کا ذکر کیا جو میرے اور اُس کے درمیان

فقرو غنا کا تھا۔ فقروہ چیز ہے جو مناقب کو معائب سے بدل دیتا ہے۔ میں اُس وقت خراب و خستہ حالت میں اور ہر طرح در ماندہ تھا، لیکن جب میری وراثت میں کچھ کمی ہوئی تو مجھ سے دوستی سے پیش آنے لگا۔ آثار الباقیہ صفحہ ۳۳۳) خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اُس زمانے میں جب تحصیل علم اجل کی طرح آسان کام نہ تھا، اس غریب بچے نے کن و دشواریوں اور مصیبتوں سے اپنا کام نکالا ہوگا۔ اس موقع پر ابو الفضل بن مبارک کا خیال آتا ہے جس نے اپنی طالب علمانہ کاوشوں کا ایک فارسی قطعہ میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ میری راتیں دو دو چراغ کھا کھا کر بسر ہوئی ہیں۔ ہم بلا خوف و تردید کہہ سکتے ہیں کہ اگر بیرونی شاعر ہوتا، اور شاعرانہ مبالغہ سے اعراض کر کے بھی اپنی اُن جانفشانیوں کا حال لکھتا، جو طلب علم میں اُس سے وقوع میں آئے ہو، ابو الفضل اپنی پانزدہ سالہ تحصیل علم کی جدوجہد کو فخر مباهات سے بیان کرتے ہوئے ضرور شرماتا، جہاں تک موجودہ معلومات ہماری دستگیری کرتی ہیں اُن سے اس بات کا پتہ لگانا دشوار ہے کہ حصول فضل میں بیرونی اپنے مان بای کا کہان تک پہنچا ہوا تھا۔ اس وقت تک کوئی ایسا موقع نظر سے نہیں گزرا

القطعہ مذکور کے خاص اشعار یہ ہیں :-

در منت خدایے را کہ گہرے شام ہوا، کر کتابی کنڈیا نغم برابری + ز الماس کلاک غفہ و در سلک انظام +
 آورده ام چنانکہ خوش آید بچہ ہری + ازین عہد بادشہ دہد استاد + طبع نموداری و توفیق یاری +
 رہ سال پنج پیش پدر کافریں بدو تحصیل کردہ ام ز علوم قمری + دو چراغ خوردہ شب آورده ام بزہر معذوری
 ارغماند دماغ راتری + (ابو الفضل و فتر سوم۔ خطبہ تفسیر سورہ فتح)۔

جہان اُس نے والدین سے کسی علمی معاملہ میں استناد کیا ہو۔ اس سے ظن غالب یہی ہوتا ہے کہ والدین کا اُسکی تعلیم میں براہ راست بہت کم حصہ تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسنی ہی میں بیرونی کے سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا ہو اور اس جہ سے وہ قدرۃ استقامت سے محروم رہ گیا ہو۔ چونکہ سوانح نگار کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ اپنے قیاسات کو اس حد تک کھینچ کر لیجائے اور اُسکے لیے ضروری ہے کہ ایسے موقعوں پر واللہ اعلم بالصواب کہہ کر خاموش ہو رہے، لہذا ہم قیاسات سے اعراض کر کے بدیہیات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ بیرونی ایک غیر معمولی ذہین اور فہیم شخص تھا، لیکن بغیر اساتذہ کی غیر معمولی توجہ اور سجدہ ذاتی محنت کے ناممکن تھا کہ وہ تھوڑی عمر میں اس قدر فضل و کمال حاصل کر لیتا۔ ایک پرشوق اور طباع پچھے سے اساتذہ کی دلی ہمدردی ہو جانا اور اُسکی تعلیم میں گہری دلچسپی لینا ایسی بات ہے جو کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ اتفاق سے بیرونی کے قلم سے ہم تک اُس کے دو استادوں کے نام پہنچے ہیں۔ ایک استاد بنداد السرخسی، دوسرا ابو نصر منصور بن علی بن عاتق۔ دونوں شخص تھے، اور گو تفصیلی حالات معلوم نہیں لیکن اتنا ثابت ہے کہ وسط ایشیا کے چوٹی کے ہیئت دانوں میں سے تھے ایک موقع پر بیرونی نے چند کتابوں کے نام لکھے ہیں جنہیں ابو نصر مذکور نے اولاً ذکر

۵۴ آثار الباقیہ صفحہ ۱۸۴ سطر ۲۰۔

۵۵ آثار الباقیہ صفحہ ۲۵ سطر ۲۰۔ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

معلوم ہوتا ہے۔

کے نام پر لکھا تھا۔ اس وقت بھی بوڈلین لائبریری میں ایک سالہ موجود ہے جس کا نام ”رسالہ ابو نصر و ابوریحان فی جدول القائل“ ہے کسی استاد کا اپنے ایک وقت کے شاگرد سے اس قدر وفور عقیدت کا رکھنا کہ اپنی تصانیف کو اُس کے نام پر لکھنا باعث عزت جانے، ثابت کرتا ہے کہ اُستاد کے دل میں اُس لائق شاگرد کی کس قدر قدر و منزلت اور محبت تھی۔

اگرچہ خوارزم اور دیگر ممالک عجم میں فارسی ملکی اور قومی زبان تھی اور ادیبوں اور شاعروں نے اپنی کوششوں سے اُسے مدارج کمال پر پہنچا دیا تھا، لیکن دیگر ممالک سلام کی طرح ان حصص میں بھی عربی مسلمانوں کی علمی اور مذہبی زبان تھی اور تعلیمی ترقی کا انحصار بڑی حد تک اس زبان میں کمال و سنگاہ حاصل کرنے پر تھا۔ بیرونی کو بھی غائر تعلیم میں اپنے وقت کا کچھ حصہ عربی میں ادبی استعداد حاصل کرنے میں صرف کرنا پڑا ہوگا، لیکن جیسا کہ اُسکی ابتدائی تصانیف سے ہویدا ہے، بیشتر حصہ علوم حکمت، ریاضی، ہیئت، فلسفہ تاریخ تمدن کے حصول میں خرچ ہوا۔

طلب علم کی کوشش میں، یا حصول معاش کی غرض سے بیرونی کو شباب ہی میں وطن عزیز کو خیر باد کہنا پڑا۔ خدا جانے کتنے عرصہ تک کہاں کہاں سفر کرتا، اور غریب الوطنی کی مصیبتیں سہتا رہے پہنچا۔ اُس وقت تک اُسے دنیاوی جاہ و وقار اور مال و دولت میسر نہ تھے۔ لیکن علم و فضل کا پورا انشہ چڑھا ہوا تھا فضل و کمال حاصل کیا تھا، جدت فہم اور جودِ طبع کی وہ حالت تھی، اُس پر

دیکھو مکتوب بیرونی جزو اخیر جہان ابو نصر کی بارہ کتابوں کے نام لکھے ہیں۔

آزاد اور نڈر طبیعت پائی تھی۔ کسی سے نہ دبتا تھا اور دوسروں کے متاع علم کے
بازار نقد میں بہت کم قدر قیمت حاصل کرتے تھے۔ جا بجا ہم دیکھتے ہیں کہ جدال
و مباحثہ کی مجلس میں اُس کی آستینیں چڑھی ہوئی ہیں اور وہ داد و فضل دے رہا ہے۔
نہ معلوم بیرونی کی شہرت کا آوازہ شمس المعالی، والی جرجان کے کان
میں پہونچا اور اُس نے بیرونی کو اپنے بیان مدعو کیا، یا بیرونی، پھر تا پھر اتنا خود
وہاں جانکا۔ جو صورت بھی وقوع میں آئی ہو، جرجان پہونچکر اُسے سکون اور
طمانیت میسر آئی اور کئی سال تک وہ وہاں مقیم رہا۔

شمس المعالی علم دوست حکمران تھا، جس کا پتہ اس واقعہ سے چل سکتا ہے کہ
ایک وقت جب بوعلی سینا نے کسی صاحب فضل امیر کے ظل عاطفت میں پناہ منوڈھنی
چاہی تو سب سے پہلے جس شخص پر اُس کی نظر جا کر پڑی وہ والی جرجان ہی تھا۔
ابن سینا کا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا، اس لیے کہ جس وقت وہ جرجان میں پہونچا
تو شمس المعالی انتقال کر چکا تھا۔ بیرونی جب اُسکے پاس تھا، اُس کی توجہات
سے بہت خوش تھا اور اُس کا شریف دل اپنے محسن کی الفت سے معمور

۱۰ مثلاً دیکھو آثار الباقیہ صفحہ ۶۰۔

۱۱ شمس المعالی قابوس بن وکیر خاندان جوزیار سے تھا، جس کے ہاتھ میں جرجان اور طبرستان کی ذی اقتدار آزاد
حکومت تھی۔ ۳۶۶ھ میں تخت نشین ہوا، ۳۷۲ھ ہجری میں دیلیوں نے اُس کی حکومت پر قبضہ کر لیا اور شمس المعالی
نے سامانیوں کے میان پناہ لی۔ ۳۷۲ھ ہجری میں دوبارہ حکومت حاصل کی اور ۳۷۲ھ ہجری میں بوسے میں قتل
ہو گیا۔ شمس المعالی کے اخراج کے وقت بیرونی کی عمر صرف نو سال کی تھی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیرونی
۳۷۲ھ سے پہلے جرجان نہیں پہونچا۔

تھا، جس کا اظہار اُس نے اپنے ولی نعمت کی مدح و ستائش کے ذریعہ سے کیا ہے۔ جو کچھ خونِ بکری کر تصنیف کرتا تھا، وہ بظہرِ شکر گزاری شمس المعالی کے نام پر معنون کر دیتا تھا۔ رسالہ ”تجريد الشعا^{۳۹}عات“ اور کتاب ”آثار الباقیہ“ لکھ کر اُسکی خدمت میں پیش کیں۔ ”آثار“ کی تصنیف کے وقت (۳۹۱ھ) ۳۹۱ھ میں بیرونی کی عمر کم و بیش تائیس سال کی تھی۔ اُس وقت تک متعدد تصانیف اُسکے قلم سے نکل چکی تھیں، جن میں سے دس کے نام آثار سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

خدا جانے حبِ وطن نے دل میں جوش مارا، یا خوارزم کے فرما زوامون نے اپنے دربار میں طلب کیا، بہر حال چند سال قیام جو جان کے بعد غالباً ۳۹۵ھ میں بیرونی اپنے وطن واپس آیا اور اس مرتبہ اس طرح آیا کہ خوارزم کے دربار میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ مامون کی قدر شناسی نے خوارزم میں

۱۱۱۱ھ ”سوم صیفین میں جرجان میں مقیم رہا ہوں، کبھی دس دن سواہر ایسے تھیں گزرے جب آسمان پر بادل نظر آتے ہوں یا مطلع صاف ہوا اور بارش نہ ہوتی ہو۔ یہ برساتی ملک ہے۔ لوگ ایک قصہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی خلیفہ (میرا خیال ہے کہ مامون تھا) بیان چالیس دن ٹھہرا اور متواتر مینہ برسا رہا آخر اُس نے کہا اس پانی اور کچھڑ کی مرزبین سے باہر بے چلو۔“ آثار الباقیہ صفحہ ۲۴۵۔ ۲۰ تشرین الآخر لوگ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں بے چڑھی عام جاؤر مچاتی ہیں لیکن مختلف مالکین مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں۔ اُس زمانہ میں جب سورج برج جدی میں تھا بچے (جرجان میں) بے چڑھی کے جاؤرون (یعنی پسوؤن وغیرہ) سے برابر تکلیف پہنچتی رہی“ آثار الباقیہ صفحہ ۲۴۷

۱۱۱۱ھ دیکھو آثار صفحہ ۳ (۱۵) ۴۵ (۹) ۱۳۴ (۲۳) ۳۶۲ (۹)

۱۱۱۱ھ آثار صفحہ (سطر ۵-۹)

علماء کی ایسی شاندار مجلس جمع کر لی تھی جسے ہر ایک حسد کی نظر سے دیکھتا تھا۔ جس زمرہ علماء میں بیرونی آکر منسلک ہوا، اُس میں بوعلی سینا، بوعلی مسکویہ، ابوالخیر الجہار، ابوتھل سحی اور بیرونی کا استاد ابو نصر عراقی بھی شامل تھے۔ ابن سینا اور بیرونی میں مسائل علمیہ پر اس سے پہلے بحث ہو چکی تھی جسکی طرف خود بیرونی نے آثار الباقیہ میں اشارہ کیا ہے۔

اسی بارے میں ایک مستند تاریخی روایت ہم تک پہنچی ہے جس سے ان دونوں فضلاء ہم عصر کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ ظہیر الدین بلہسن

بوعلی مسکویہ کے حالات اور درج ہو چکے ہیں۔

ابوالخیر (۳۹۷ھ) میں بغداد میں پیدا ہوا تھا۔ وہ یحییٰ بن عدی کا شاگرد تھا۔ (مستدرک) میں وہ مجتہد کے ہمراہ غنی آیا، جان محمودی کے سامنے اُس کا انتقال ہو گیا۔ پہلے عسائی عقائد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ ابوالخیر نے بعض یونانی کتابوں کا شامی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

ابوہل بیرونی کے عزیز دوستوں میں سے تھا اور اُس نے اُسکے نام پر متعدد تالیفات لکھی تھیں۔ انکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علمی مذاق میں بیرونی کے نفقہ قدم پر چلے والا تھا۔ کثیر تصانیف فلسفہ منطق و علومِ اُمی کے متعلق ہیں جن میں بعض فلسفی کی سختی ہیں مثلاً (۱) رسالہ غلیات البشیر، حسین آفتاب کے اندر جو سیاہ داغ ہیں اُن کی تحقیقات کی ہے (۲) کتاب فی سکون الارض اور حرکتها۔ اس میں اس امر سے بحث کی گئی ہے کہ آیا زمین گھومتی ہے یا ٹھہری ہوئی ہے۔ اُس دور میں یہ بحث نہایت شد و مد سے جاری تھی اور بعض علماء بہت (مثلاً ابو سعید سحری) حرکتِ ارض کے پورے طور پر قائل تھے۔ (۳) رسالہ فی دستور الخط جس میں رسم الخط کے قوانین سے بحث کی تھی۔

تاجری بنی وین الفتی الفاضل ابی علی الحسین بن عبداللہ بن سینا من المذکرات فی الباب الثومین

(آثار الباقیہ صفحہ ۲۵۷)

بن ابی القاسم بہیقی نے لکھا ہے کہ ابوریحان بیرونی نے چند مسائل ابوعلی (ابن سینا) کے پاس بھیجے، ابوعلی نے جوابات لکھے، بیرونی نے بہت سختی کے ساتھ اُن پر اعتراضات کیے اور مورخ کا (جو بوعلی کا طرفدار ہے) بیان ہے کہ بوعلی کے کلام کی بڑی توہین کی۔ بوعلی نے بیرونی کے مقابلہ سے اعراض کیا اور اسے شاگرد ابو عبد اللہ معصومی نے ابوریحان کے اعتراضات کا جواب دیا، اور لکھا کہ اسے ابوریحان ایک فلسفی کے لیے اگر تو ان الفاظ کے سوا دوسرے الفاظ اختیار کرتا تو یہ عقل و علم کے لیے زیادہ نمایاں ہوتا۔ اسی روایت کے ذیل میں بہیقی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب ان سوالوں اور جوابوں میں حکیم ابو الفرج بغدادی نے غور کیا تو بیرونی کے اعتراضات کو حق بجانب پایا اور کہا ”جو شخص آدمیوں کو معزز کرتا ہے لوگ اُسے معزز کرتے ہیں۔ ابوریحان نے (اس بارے میں) میری نیابت کی ہے۔“

یہ امر بعد از قیاس نہیں ہے کہ بیرونی نے اعتراضات میں سختی سے کام لیا ہو، لیکن فاضل فلسفی کا اپنے حریف کے مقابلے میں سپردِ آلِ حینا دل میں کچھ اور گمان بھی پیدا کرتا ہے۔ اور اس گمان کو آئندہ پیش آنے والے واقعات سے قابلِ لحاظ تقویت بھی ہوتی ہے۔

بیرونی کو منطق میں یدِ طولیٰ حاصل تھا، جس کا عام اعتراف اُس کے معاصرین نے ”محقق“ کا خطابِ فاخرہ عطا کر کے کیا۔ علمائے دربار میں بیرونی کے ہوا خواہوں کی کچھ کمی نہ تھی۔ ابونصر، ابوالخیر اور ابوسہل سب

سابقہ ابن سینا اپنے معاصرین سے علومِ ملت میں کم پایہ تھا اور اُسے بیرونی کے مثل طبیعت بھی نہ پائی تھی۔ (دیکھو تاریخ فلسفہ کلام)

دلی ہی خواہ اور سچے خیر طلب دوست تھے۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ اپنے حریف کے مقابلے میں بیرونی کا اقتدار کبھی معرض خطر میں نہیں ہوا اور اُسکی قدر و منزلت کبھی کسی سے کم نہ رہی۔

ابھی دربار میں باریاب ہوئے کچھ زمانہ نہ گزرا تھا کہ ایسا یسا واقعہ پیش آیا جس نے خوارزم کی علمی مجلس کو درہم و برہم کر دیا۔ میر خوند اور دیگر مورخین نے لکھا ہے کہ محمود بن سبکتگین نے ۳۳۵ھ (۹۴۷ء) میں خوارزم سے ابن سینا، ابیر بن ابونصر، ابوسہل اور ابوالخیر کو اپنے دربار میں بلایا۔ ابن سینا اور ابوسہل نے جانے سے انکار کر دیا۔ بلکہ خوارزم کو بھی خیر باد کہا۔ ایک مورخ نے صاف طور پر لکھا ہے کہ ابن سینا بیرونی کے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوا اور اُس کے غزنی نہ جانے کی وجہ بیرونی کی ہمراہی سے آزادی حاصل کرنی تھی۔ یہ واقعہ صاف طور سے ظاہر کرتا ہے کہ نوجوان ابن سینا، جو بچہ کار حریف سے اُس وقت اٹھارہ سال چھوٹا تھا، بیرونی کے مقابلے سے پچکتا اور اُسکے فضل و کمال کی تاب نہ لاسکتا تھا۔

الغرض بیرونی اور اُس کے دوست ابوالخیر اور ابونصر غزنی پہنچے لیکن خدا جانے کیا واقعات پیش آئے کہ بیرونی جلد خوارزم کو لوٹ آیا اور علی مامون کے دربار میں دوبارہ باریاب ہوا۔ واقعات بتاتے ہیں کہ بیرونی کو دربار خوارزم سے خاص لگاؤ تھا اور مامون بیرونی کی دل سے قدر و منزلت کرتا تھا۔ ایک دفعہ میدان حریفوں سے خالی تھا اور بیرونی کے ہوج کا اہضا ہو جانا لابدی۔ فوس اس مرتبہ بھی بیرونی کو خوارزم میں زیادہ ہنا نصیب ہوا۔

سنہ ۶۷۰ (۱۲۷۱ء) کا واقعہ ہے کہ خوارزم میں ایک ہنگامہ پیدا ہوا اور
 حادثہ نے ایسی شکل اختیار کی کہ مامون کے قتل کی نوبت پہنچی۔ مامون کا
 مارا جانا تھا کہ تمام ملک میں ایک قیامت برپا ہوگئی۔ محمود غزنوی، جس کی
 فتح ترمذی اور کشورستانی کا شوق اس قدر تازہ تھا کہ شہرت رکھتا ہے، گو یا خوارزم
 پر آنکھ لگائے بیٹھا تھا، فی الفور ہندو کش کے پار فوجیں اتار دین اور شہر زدن
 میں خوارزم کی حکومت کا چراغ گل ہو گیا۔ سلطنت خوارزم سے بیرونی کے جو
 تعلقات تھے، ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مامون کے قتل، اُس کے خاندان
 اور سلطنت کی تباہی اور خود اپنے وطن عزیز کی بربادی سے کتنا کچھ رنج
 بیرونی کو ہوا ہوگا۔ افسوس اُس کے دیکھتے دیکھتے کتنی حکومتیں بنیں اور
 بگڑیں۔ ابھی کچھ دن ہوئے اُس کا پہلا ولی نعمت شمس المالی اسیری اور
 فاقہ کشی سے جان بحق تسلیم ہو چکا تھا اور اس وقت اُس کا دوسرا محسن اس
 بے بسی اور لا چاری سے طعمہ اجل ہوا۔ بلاشبہ اس وقت زمانہ اُسکی نظروں میں
 سیاہ نظر آتا ہوگا اور زمانہ کی بے اعتباری رہ رہ کر دل مسوستی ہوگی۔

خوارزم کی فتح کے بعد جب محمود اپنے دار السلطنت کی طرف لوٹا، تو تمام
 مشاہیر ملک و اراکین حکومت کو مقید کر لیا۔ ان پولیکل قیدیوں میں ہمارا
 غمزدہ بیرونی بھی تھا۔ غزنی آکر اُس کا کیا حشر ہوا؟ تمام موجودہ تاریخین
 اس کا جواب دینے سے عاجز ہیں، اور تا وقتیکہ مستند تاریخی شہادتیں دستیاب
 نہ ہو جائیں کوئی قول فیصل صادر نہیں ہو سکتا۔ موجودہ روایات کی کمزوری اور
 صحیح و قحات کی کم گشتگی کی وجہ سے ہم مجبور ہیں کہ بیرونی کی تصنیف و واقعات پر غور کرتے ہوئے

کوئی قیاسی نتیجہ اخذ کریں ظہیر الدین البہیقی اور شمس الدین شہر زوری نے البیرونی کے تذکرے میں کہیں اشارہ نہیں کیا کہ بیرونی کا محمود کے دربار سے کوئی تعلق تھا۔ خود بیرونی نے کتاب الهند میں، جس کا زمانہ تصنیف سلطان محمود کی وفات کا نہایت ہی قریب وقت ہے، کہیں اپنے درباری تعلقات کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ سلطان محمود کا چہان کہیں ذکر آیا ہے وہاں اُس کا نام نہایت معمولی طور پر لیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ الفاظ مدحیہ ”بین الدولہ امیر محمود علیہ الرحمہ“ ہیں جو محمود جیسے عظیم الشان سرپرست کے لیے، جس کی روح دستاویز گے واسطے ایسا وسیع میدان مل سکتا تھا، بالکل ناکافی ہیں۔ بین الدولہ خلیفہ عباسی کا عطا کردہ خطاب تھا اور امیر بالعموم اُس کے نام کے ساتھ مستعمل ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ جا بجا زمانے کی ناسازگاری کی شکایت ہے جس سے صاف سوز و رونا کی بو آتی ہے۔ کتاب الهند سے جو مقام ذیل میں لکھا جاتا ہے وہ اس معالجے پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ ناظرین بجائے خود غور کریں

”دعلوم کی تعداد بے شمار ہے اور اگر لوگ بالعموم اُن کی طرف توجہ کر لیں لکھیں اور علوم اور اہل علم کی قدر و منزلت کریں تو اُن کی تعداد میں اور زیادہ اضافہ ہو سکتا ہے ایسا کرنا سب سے پہلے سلاطین، امرا اور حکام کا فرض ہے۔۔۔۔۔ موجودہ

۱۰ ناخو صاحب کے اس خیال سے ہمیں اختلاف ہے کہ بقا بل لفظ سلطان کے لفظ امیر کا استعمال ظاہر کرتا ہے کہ بیرونی کو محمود کی تحقیق و نظر تھی، خود سلطان محمود کے نمک خوار اور مداح مورخ اُسے امیر کے لقب سے بالعموم موسوم کرتے تھے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ اُس زمانے میں عام پسند تھا، چنانچہ ابوالفضل اور بیہقی نے طبعاً ناصر الدین سلطان محمود کا اکثر اس لقب سے ذکر کیا ہے۔

زمانہ اس کے بالکل خلاف اور معاملہ برعکس ہے اور اسی وجہ سے محال ہے کہ کوئی
 نیا علم پیدا ہو یا جدید علمی تحقیقات ہمارے زمانے میں سرانجام پائیں۔
 (کتاب الہند، باب صفحہ ۳۷)

اس شکوہ و شکایت کی اہمیت اُس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے، جب قانون
 مسعودی کا کتاب الہند کے انداز بیان سے مقابلہ کیا جائے تو قانون میں
 صفحے کے صفحے مسعودی کی تعریف سے بھرے پڑے ہیں اور ہر دستاویز میں
 پورا زور قلم صرف کیا ہے۔ دوسرے اُس زمانے کی شکایت کا حرف زبان
 پر نہیں آیا بلکہ اب تو لیل و نہار مبارک اور مسعودی ہیں۔ بلاشبہ اس سے ہم یہ
 نتیجہ نکالنے کی جرأت کرتے ہیں کہ محمود بیرونی کا وہی نعمت اور مربی نہ تھا۔ اگر
 ایسا ہوتا تو بیرونی سلطان محمود کی، جو بمقابلہ مسعودی زیادہ ستائش کا مستحق تھا، مسعودی
 کے برابر تو تعریف کرتا اور کوئی معرکہ الآثار تصنیف اُس کی قدردانی کی یاد میں
 چھوڑ جاتا۔ تقاضائے عقل ہے کہ جس خداوند نعمت کے سایہ عاطفت میں
 فارغ البال رہ کر اپنے علمی مشاغل پورے کیے ہوں، اس کے نام پر کتاب الہند
 جیسی تصنیف معنون کرنا یا کم از کم گناہ اتنا ضرور لکھتا کہ سلطان مذکور کی بدست
 یا اُس کی فرمائش سے میں نے یہ مہتمم بالشان کام انجام دیا۔ ان سب کو جانے
 بھلا یہ کیسے سمجھ میں آسکتا ہے کہ ایک شخص اپنا مربی اور سرپرست ہو اور اسے
 مرے اتنا تھوڑا وقت گزر اہو کہ اُس کی یاد دل میں تازہ ہو پھر بھی اپنا ہوسکے
 کہ اُس کے ذکر خیر میں دو کلمے قلم سے نکل جائیں۔ ہم بیرونی کی طبیعت اور
 مزاج سے آشنا ہیں وہ ہرگز احسان فراموش نہیں ہے اور اپنے اولیاء کے

القام کا ذکر کرنے میں کوتاہ قلبی نہیں کرتا۔

بنابر واقعات مسطورہ بالا ہم مورخ رشید الدین یا جدید مورخوں کے اس بیان کی تصدیق سے بالکل قاصر ہیں کہ بیرونی نے سلطان محمود کی ملازمت میں داخل ہو کر ایک زمانہ ہند میں بسر کیا۔

۲۔ دیکھو ایلٹ کی تاریخ جلد ۲۔ صفحہ ۲۔ اور لین پول کی تاریخ سلطان سلاطین ہند

(Medieval India) صفحہ ۳۰ وغیرہ وغیرہ۔

یہ ایک ایسی غلطی ہے جس میں عام طور پر یورپین گرفتار نظر آتے ہیں۔ اس غلطی کے اسناد کی غرض۔ یہ وہ پہم نے کسی قدر تفصیل سے کام لیا ہے۔ اس غلطی کی اشاعت کا باعث یہ معلوم ہوا ہے کہ چونکہ بیرونی کا سوسو کے عہد حکومت میں دربار غزنی سے تعلق تھا، متاخرین نے ناموریاپ کی طرف ان تعلقات کو منسوب کر دیا۔

ذیل میں ناظرین کی تفسیر طبع کی خاطر تاریخ فرشتہ سے ایک حکایت نقل کی جاتی ہے جس کا ذکر (Beaulieu) بیل صاحب نے بھی اپنی ڈکشنری آف انڈیائی ٹیٹل میچوائی میں تحت تذکرہ بیرونی کیا ہے۔ یہ حکایت فرشتہ نے تحت حالات فیروز شاہ بہمنی لکھی ہے۔

”دلا اسحق سرستہ کہ مرے دشمن و اہل طبع بود معروض داشت کہ سلطان (یعنی فیروز بہمنی) اہل مجلس اس حکایت میں نمایاں کہ بے تکلفاً حرف زدند و این معنی موافق مزاج بادشاہان نیست۔ حکایت سلطان محمود سبکتگین و حکیم ابوریحان نجم قزوئی کلام میں است۔ سلطان فیروز شاہ پر یہ کہ خرج این حکایت چہیت۔ ملاحق بتفصیل گفت..... و امثال این حکایت ملا داود پیری مصنف تحفۃ السلاطین بہمنی (در قضا یاے سلطان فیروز شاہ از بسیار قصص) نوشته، لیکن بنابر آنکہ موجب اطمینان می شد و محمول بر کذب ہی گشت بتفصیل آن پرداخت و چون حرف سلطان محمود و اجراء ایشان در میان آمد مناسب شود کہ آن را..... چنانکہ ملا پیری مذکور کردہ در پی نسخہ مرقوم گردانم۔

آوردہ اند کہ حکیم ابوریحان نجم از نوادہ زکا بود، حکماے عجیب و دماغی شد و بواسطہ ذہن و مارت (بقیہ صفحہ ۵۲)

قصہ کوتاہ یہی روئی غنی ہو بچا اور کسی نہ کسی وجہ سے مقیم ہوا۔ اُس وقت خاندان غزنویہ کے دارالحکومت کی شان شوکت کا اندازہ کرنے کے لیے صرف اتنا تصور کر لیا کافی ہے کہ وہ ابوالعزم محمود کے پرچم پر دربار کا مستقر تھا۔

(بقیہ حاشیہ ۲۰) در علم نجوم تکلیف سلطان ابوسلمہ استغفار و زیدہ و وسے ایزین رہ گذر آذرہ خاطر بود و توفیقہ سلطان محمود قلعہ غزنین در بالاسے کو شک مقابل باغ ہزار درخت نشستہ بود کہ حکیم ابوریحان منجم در آمدہ سلطان روسے بوسے کرد و گفت حکم کن کہ من ایزین چار دروازہ قلعہ از کد امین در بیرون خواہم رفت۔ منجم صراط خواستہ ارتفاع گرفت و طالع درست کرد و پاره کاغذ چیز سے نوشتہ در زیر بالین سلطان نهاد و بعدہ سلطان فرمود کہ دیوار قلعہ از جانب شرقی بشکافند و از ان جانب بیرون رفت۔ پس ازان کاغذ را بر آوردہ دید کہ نوشتہ بود کہ از چار دروازہ بیرون زد و دیوار از جانب شرقی شکافند و در دوسالان ازان حکم خیر و گشت بفرمود کہ حکیم از باہ کو شک بنیز اندازند۔ و ظاہر از انجا نام نہاد چیز سے نسبتہ بود کہ بران آمدہ آہستہ بر زمین رسد و پیچے پیچے و گریستہ پیرامون منے گرد و سلطان گفت این را دیدہ بودی گفت آہستہ تقویم کردہ درست غلام بود بستہ و سلطان داد کہ بسین چنانچہ در احکام آن روز نوشتہ بود کہ امر و زمر از بجائے بلند بیندازند، لیکن بسلاست بر زمین فرو دایم، و این حکم ہم ہوا فق طبع سلطان نیامدہ فرمود تا اورا محبوس ساختند۔ و چون مدتی شش ماہ برین گذشت، غلام حکیم روز سے دربار اری گذشت۔ قال بینی اورا دیدہ بخواند و گفت در طالع تو چند چیز دیدہ ام، ہدیہ بدہ تا بگویم۔ غلام در دم داد و قال میں گفتم، عزیز سے کہ خداوند متعال در درخت است از امر و زمر و دیگر ازان محنت نجات خواہ یافت و خلعت و تشریف خواہ پوشید۔ غلام پر سبیل بشارت این فال را بخواند خود و رسانید۔ منے بخندید و گفت، افسوس غلام من باشی و بدین قسم مردم را اعتبار کی کنی۔ تضارار و رسوم احمد بن حسن عینی کہ خدمت می طلبیدہ فرمایند و زینساو گاہ سخنے از نجوم در میان آورد و گفت کہ بیچارہ حکیم ابوریحان منجم کہ چنان دو حکم بدان نیکوئی کرد و بجائے خلعت و تشریف بند و زمان یافت۔ سلطان گفت مگر۔ (دائم تو بنی دانی۔ این مرد را در علم نجوم نظیر نیست) (بقیہ صفحہ ۵۳)

سلطان کی فیاضیوں، مقام حکومت کی ضرورتوں اور شہر کے رونق و شکوہ نے دور دور سے لوگوں کو لا جمع کیا تھا۔ غزنی میں آہستہ والوں میں بہت سے اجنبی مسلمان اور قوموں کے لوگ شریک تھے، بالخصوص ہندوؤں کی مردم شماری بہت خاصی تھی۔ بلاشبہ ان میں سے بہت سے تو لڑائی میں لائے گئے تھے۔ لیکن بعض غزنی کے متول اور خوش حالی کی وجہ سے بنیت کار و بار جا رہے تھے۔

یہاں پہونچنا گویا ہندوستان کے دروازے تک پہونچنا تھا اور ہندوستان وہ ملک تھا جس کی علمی شہرت عالم کو مسخر کیے ہوئے تھی، لیکن علمائے ملک کے بخل اور تنہا بننے خزان علوم پر ایسا تالاٹھو کا تھا کہ تلاشی علوم کی بہت پست ہو کر رہ جاتی تھی۔ بیرونی کی متجسس طبیعت میں اب سے سالہا سال پہلے اہل ہند کے متعلق مستند معلومات بہم پہونچانے کا ولولہ تھا۔ یہاں اگر اُس میں بیجان تازہ پیدا ہوا۔ اُس کی طبیعت کا خاصہ تھا کہ کسی طرح اُسے اُس وقت تک

(بقیہ جاشنیہ ۲) اما حکیم کامل آہستہ کہ مزاج دان باشد، زیرا کہ پادشاہان بر مثال کوہ کاندہ و سخنے بروقی طبیعت ایشان بایک گفت تا اذان بہرہ مند توان شد و دران روز اگر کیے اذان دو حکم خطا شدی صوب بودی، پس درہمان روز حکم نجات حاصل کرد کہ فال میں گفتہ بود۔ و حکیم ابو یحیٰ آن فال میں را کہ بر سر راہ بود دیدہ غوری کہ در علم نجوم داشت از سر نہاد و چون بجلوس سلطان حاضر گشت سب و خلعت و ہزار دینار و کنیزک یافت، و سلطان عذر خواستہ گفت اگر می خواہی سخن برونق مزاج من گوئی، بہر صحت علم کہ یک از شرط خیریت سلاطین این ست (تاریخ فرشتہ جلد اول (نول کشور) صفحہ ۳۰۷-۳۰۸) از دس دینارے ایسی مہل کہمانیان گروہ کہ بیرونی کی عظمت زندہ رکھنے کی خدمت انجام دی، حالانکہ اس کے صحیح حالات کچھ کم حیرت انگیز نہ تھے۔

چین نہ آتا تھا جب تک حق یقین پورا نہو جائے۔

یہ امر بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ غزنی میں چند ہندو اہل علم ہوں اور بیرونی نے اہل ہند کے علوم کا پہلا درس غزنی میں لیا ہو۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی نے تعلیم کے ابتدائی مراحل طے کر کے ارض ہند میں طلب علم کی غرض سے قدم رکھا اور جب اس اجنبی ملک میں وہ وارد ہوا، تو اس حیثیت سے کہ ہندو پندتوں نے اپنی عادت مہودہ کے موافق اس غریب الوطن طالب علم کے ساتھ بے اعتنائی کرنے کا موقع نہ پایا۔

بیرونی غزنی میں شمسہ ہجری (۷۸۷ء) میں پہنچا تھا اور کتاب الہند کی تصنیف کے وقت شمسہ ہجری (۸۰۷ء) میں غزنی میں موجود تھا۔ اس یہی تیرہ چودہ سال کی مدت ہے جس میں تحصیل علوم ہندو وقوع میں آئی آگے چل کر جب ہم اس بابے میں بسط تبصرہ لکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس قلیل مدت میں اُس نے کیا متم بالشان کام انجام دیا۔

جس وقت بیرونی اپنی طالب علماء سیاحت میں مصروف تھا، مغربی ہندوستان میں محمود غزنی کے حملوں کی وجہ سے کھلبلی پڑی ہوئی تھی، جنگ و جدل کے باعث اہل ہند کے دلوں میں حملہ آور واپس کے حق میں معاندانہ جذبات

۱۰۰ دیکھو آثار الباقیہ صفحہ ۲۰۔ اما مشہور سائر الامم من الهند والصین والسنہ والترک والافغان
والحبشہ والزمین فانہ ان تقر علیہا السلام بعضہا فانہا قد اعرضنا عن ذکرہا الی وقت ینفک لنا الاطالع فیہا
۱۰۱ فلا یلوق بطریقہا النقی سکتھا ان ینصیف الشک الی الیقین والمجہول اسے

کا موجود ہونا بالکل قدرتی بات ہے اور شکل سے یقین ہو سکتا ہے کہ ایسے وقت میں کوئی شخص ایسے دوستانہ تعلقات قائم کر سکے جن کی امن اور خاموشی کی حالت میں بھی یہاں کے بھلے پرو راہل علم سے توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ پس جب ہمیں مورخ رشید الدین کی زبانی یہ اطلاع ملتی ہے کہ ”ہند کے اکثر اکابر اور امرا سے بیرونی کے دوستانہ تعلقات تھے اور اسی وجہ سے اُس نے اہل ہند کے فلسفہ مذہب اور عقاید کے معلومات حاصل کیں“ تو بے ساختہ بیرونی کی صلح پسندی اور روشن دماغی پر حیران کیا جاتی ہے۔

گیارہویں صدی میں ہندو علوم کے مرکز بنارس اور کشمیر تھے لیکن یہاں کسی لٹچر کا پہنچنا ممکن نہ تھا۔ لہذا بیرونی مجبور تھا کہ اپنی سیاحت کو صرف اقطاع پنجاب تک محدود رکھتا، جو ایک حد تک مسلمانوں کے زیر اقتدار تھے۔ اس کے آگے جانا ممکن تھا اور بیرونی گیا۔ جہاں تک اُس نے سیاحت کی اُس کا حال بیرونی کی کتاب الہند سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک موقع پر لکھا ہے۔

”میں نے خود قلعہ لاہور کے عرض البلد کی پیمائش کی تو ۳۳ درجہ ۳۰ دقیقہ پایا۔ قصبہ کشمیر اور لاہور کے درمیان ۵۶ میل کا فاصلہ ہے۔ آدھارا سمتہ آسان اور آدھارا سمتہ وشتوار ہے۔ دوسرے عرض البلد جو میں نے دریافت کیے وہ ہیں۔“

(۲) کابل ۳۳° ۴۰'

۱ غزنی ۳۳° ۴۵'

(۴) دہلی ۳۲° ۲۰'

(۳) کندی رباط الامیر ۳۳° ۵۵'

(۶) پرشاور ۳۳° ۴۴'

(۵) طمان ۳۳° ۲۳'

۳۲ اہلیت تاریخ ہند جلد ۲ - صفحہ ۲

(۷) دہندہ ۳۴ ۳۰ (۸) حبیل ۳ ۲۰
 (۹) قلعہ نندا ۳۲ ۵۰ - ملتان اور قلعہ نندا کے درمیان قریب ۲۰۰ میل
 کا فاصلہ ہے۔ (۱۰) سیالکوٹ ۳۲ ۵۵
 (۱۱) منہ گلور ۳۱ ۵۰ (۱۲) ملتان ۲۹ ۲۰
 ہم ان مواضع مذکورہ سے آگے نہیں گئے اور نہ ان کی دہندہ وون کی کتب
 سے ہم کو اور اطوال و عرض کا پتہ چلا ہے، (کتاب الهند صفحہ ۱۶۳)
 علاوہ ان مقامات کے دو مواضع کا اور ذکر کیا ہے۔ ایک جگم لکھا ہے کہ
 میں نے در قلعہ راجگری اور لوہے سے زیادہ مضبوط قلعے نہیں دیکھے،
 (الهند صفحہ ۱۰۲ اسطر ۳)

ان مقامات میں سے بعض کا محل وقوع تحقیق ہو گیا ہے۔ شہر گندی دہی مقام
 ہے جہاں مسعود بن محمود قتل ہوا تھا۔ دنیور جلال آباد کے موقع پر آباد تھا پٹن
 اب پیشاور کہلاتا ہے۔ قلعہ نندا بالانا تھا پر جسے اب ٹلا کہتے ہیں واقع تھا۔
 دینند ایک کے موقع پر تھا اور منہ گلور لاہور کے قریب ایک قلعہ تھا۔ ملتان
 کا بیرونی بے اکثر ذکر کیا ہے اور اس طرح کیا ہے، جس سے یہ گمان راسخ ہوا
 ہے کہ بیرونی کا قیام ملتان میں زیادہ رہا۔ ملتان کی مقامی تاریخ آب و ہوا

لیکن قانون مسعودی میں منہ اور نندا کے جگہ سے شہروں کے اطوال البلاد اور عرض البلاد لکھے ہیں، جن
 میں کس کے مقام کا خلاصہ بھی شامل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الهند اور قانون کی تصدیق کے درمیان کسی طرح پریر طول
 و عرض تحقیق کیے ۳۲ صفحہ ۱۰۶

اور اہل شہر سے وہ خوب واقف معلوم ہوتا ہے۔ دو جگہ ایک ہندو عالم دیکھو
نامی کا جو ملتان کا باشندہ تھا ذکر کیا ہے۔ ایک موقع پر اُس کا بتایا ہوا حساب
تحریر کیا ہے اور دوسری جگہ ایک حساب کے بارے میں لکھا ہے کہ اس
بات کی تحقیق کہ یہ حساب صحیح ہے ایک ورق سے ہوتی ہے جو ایک زنج
سے جسے اُس نے (در لہجہ) بنایا تھا میرے ہاتھ لگا۔ وہ اُس میں کہتا
ہے الخ

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے ۲۳ کہ ہجری میں بیرونی غزنی میں موجود تھا
اور اُس وقت تک ڈیڑھ دو درجن کتابیں جن میں تہجہ اور اصل تصانیف
دونوں شامل ہیں، علوم ہند کے متعلق بیرونی کے قلم سے نکل چکی تھیں۔
اس سے صاف ظاہر ہے کہ علوم ہند کی تکمیل کیے کئی برس گزر چکے تھے۔
یہ بتانا البتہ دشوار ہے کہ کس سن میں وہ ہند سے غزنی واپس آیا۔

۵۲۵ اہل ملتان مجھ سے کہا کرتے تھے کہ ان کے یہاں برہنگال دوم صیف کی برسات نہیں ہوتی، لیکن
کہ ہستان کے قریب شمالی حصہ میں برہنگال ہوتی ہے۔ (الہند صفحہ ۱۰۶-۱۰۷)

۵۲۶ صفحہ ۲۹ (۱۵-۱۸) پر ملتان میں کی ایک عید کا ذکر ہے۔

۵۲۷ صفحہ ۲۹ (۸)۔

۵۲۸ صفحہ ۲۰ (۱۲)۔

۵۲۹ کتاب التفریم کا سال تصنیف ۵۵۵ رمضان ۵۵۵ ہجری ۱۱۵۹ء ہے۔ اس کتاب میں جاچا اہل ہند کے مسائل
و نجوم کا ذکر ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب الہند کی تصنیف سے تین سال پہلے بھی بیرونی علوم ہند کی تحصیل سے فارغ
ہو کر اپنی طالب علمانہ سیاحت سے واپس آچکا تھا۔ موجودہ معلومات کی بنا پر صحیح تاریخ کی تعیین ناممکن ہے۔

سلسلہ ہجری دسٹائے میں سلطان محمود نے انتقال کیا اور چھ روز
کی لڑائی بھڑائی کے بعد سعود کے ہاتھ میں عنان حکومت آئی۔ سعود کے
برسر حکومت آنے سے بیرونی کی زندگی کا نیا دور شروع ہوتا ہے جیسا کہ کتاب
الہند ظاہر کرتی ہے، ابتدا سے سلسلہ ہجری دسٹائے تک اس کا دربار
غزنی سے کوئی تعلق پیدا ہوا تھا۔ سلسلہ ہجری کے خطے، جن کا اوپر
ذکر آچکا ہے، پتہ چلتا ہے کہ اس سال سے پہلے سعود تک سائی ہو چکی
تھی، چنانچہ فرست کتب میں قانون سعودی کا نام بھی موجود ہے، اگرچہ یہ
بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب اُس وقت تک مکمل نہ ہوئی تھی۔ غرض بیرونی کا
سلطان سعود کے دربار میں باریاب ہونا ۲۳۳ھ اور ۲۳۴ھ ہجری کے درمیان
بین کسی سال وقوع میں آیا۔

ایک دفعہ تعلقات کا پیدا ہونا تھا پھر تو سلطان کے دربار میں بہت
کچھ قدم و منزلت ہوئی۔ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سلطان سعود نہایت
سخی، کریم الخلاق اور علم پرور فرمان روا تھا اور اُس کے زیر سایہ اہل علم کی
جمعیت کثیر تصنیف و تالیف کی خدمت انجام دیتی تھی۔ بیرونی کو جسے قدر شا

۲۳۵ھ چنانچہ زشتہ لکھتا ہے: "وَأَوْدَ (سلطان سعود) بِإِدْشَاہِ بُودِ شَجَاعِ وَکَرِیمِ الْاِخْلَاقِ - سخاوت و بافراط داشت و با علماء
و فضلای مجاہست نمود و در بارہ ایشان انواع انعام و احسان مبذول داشتہ" جسے کثیر از فضائل اسم و کتب نوشتمہ از انجل
استاد البوریجان خوارزمی رقم علامہ وقت بود و در فنون یا ضیائے نظیر سر داشت، قانون سعودی در علم ریاضیات تمام نامی ہوا و
و خیال از فکر و صافیافت، قاضی ابو محمد ناصحی نیز کتاب سعودی در فقہ مذہب امام ابو حنیفہ بنام ابن افضل پناہ تالیف نمود،
فرستہ از کشتہ صفحہ ۱۲۷۔ علم پروری کا یہ شوق نامور باپ سے وراثت میں ہو چکا تھا اگر موصوفی اور فردوسی کے ولی نعمت
ہونے کا فخر لکھتا ہے تو اس سے بڑھ کر سعود کو بیرونی کے مدوح ہونے کی عزت حاصل ہے۔

مربی کی ضرورت تھی مسعود ویسا ہی ثابت ہوا۔ جب بیرونی کو اس طرح فرغت نصیب ہوئی تو اُس کی ہمت عالی نے اقلیم علم میں ایک اور نئی مہم سر کرنے کا اہتمام کیا۔

بلاشبہ سلطنت کا خزانہ اہل علم پر ہمیشہ کشادہ رہتا تھا، لیکن مسعود کے سائے عاطفت میں جس مہتمم بالشان کام کے انجام دینے کا بیرونی نے بیڑا اٹھایا، وہ ایسا کام تھا، جس پر مہذب سے مہذب سلطنت کا دولت خرچ کرنا باعث فخر ہو سکتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ بیرونی نے تحریک کی کہ دار السلطنت میں ایک رصد گاہ قائم کی جائے جہاں سائنسیت کی تحقیقات ہو۔ خیال کیجیے جس کام کا وہ خود مہتمم ہوا ہو، وہ کس حسن و خوبی سے انجام پایا ہوگا۔ موجودہ تواریخ سے تو مبشکل انتائیہ چلتا ہے کہ بیرونی نے ایک رصد گاہ بنوائی تھی، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اُس کی جانکا ہیون کا شاہ عادل "قانون مسعودی" موجود ہے، جس میں اُسکی دیدہ ریزی کے تاج اور معلومات کے ذخائر بند ہیں۔ البتہ قی لکھتا ہے کہ "قانون مسعودی" جسے شہاب الدولہ مسعود کے عہد دولت میں تصنیف کیا تھا، بیرونی کی تصانیف کے چہرہ میں پیشانی کی روشنی ہے اور شہر زوری کہتا ہے کہ "مجھے یہ خبر معلوم ہوئی ہے کہ جب اُس نے قانون مسعودی کو تصنیف کیا تو سلطان شہید (مسعود) نے ایک بار قیل و نقول انعام میں دیا۔ (گرادہ ری سیر چشمی) بیرونی نے اپنے آپ کو اس سے مستثنیٰ سمجھا

۱۳۰۰ء کا جب چلی نے کہا ہے کہ سلطان مسعود کے حکم سے بیرونی نے غزنی میں ایک رصد خانہ قائم کیا تھا۔

اور خزانے میں واپس کر دیا۔

سال ۳۲ ہجری (۶۵۳ء) میں مسعود بنجید اود کے نذر ہوا، اور مودو نے سخت سلطنت پر قدم رکھا۔ دربار سے بیرونی کو جو البتگی ہو چکی تھی اُس میں تبدیل فرمان روا سے کچھ فرق نہ آیا، چنانچہ سلطان مودو د کے لیے جواہرات کے حالات میں ایک رسالہ لکھا، جس کا نام ”اجماہر فی الجواہر“ دیا، الجواہر فی معرفۃ الجواہر ہے۔

مسطورہ بالا حالات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیڑی کی زندگی کے شب و روز طالب علمانہ مشاغل کے نذر ہوئے۔ جب سے آنکھیں کھولی تھیں اور موش سنبھالا تھا اُس کے پاس طلب کی گردش نے اسے ایک دم کے لیے چین سے نہ بیٹھنے دیا تھا۔ قوی سے قوی انسان بھی ایسی سخت محنتوں سے بغیر متاثر ہوئے نہ رہ سکتا۔ بلاشبہ بیڑی ایک قوی ہیکل اور تند رست انسان ہو گا جو ایسی صعوبتوں کے برداشت کرنے کی تاب لایا۔ لیکن ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے، آخر صحت پر بڑا اثر پڑا اور پڑنا چاہیے تھا۔ دوست کو جو خط لکھا ہے اُس میں اپنی صحت کا بھی ذکر کیا ہے۔ کئی لحاظ سے یہ مقام دلچسپ اور پر لطف ہے۔ لہذا شروع سے اخیر تک خموشی سے سنا چاہیے۔

”اب میری عمر قمری حساب سے ۶۵۔ اور شمسی حساب سے ۶۳ سال کی ہے۔ تعجب نہیں اگر میرے خواب کی تعبیر سچی ہو، اگرچہ میری حرص اُس کی تصدیق کی منتہی نہیں ہے (اس کے بعد اپنی تصانیف کی طویل فہرست دی ہے)۔“

اور خواب کی تعبیر کا جو ذکر کیا ہے اُس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کیسا ہی ہوشمند کیوں نہ ہو اپنی محنت اور مصیبت کے زمانے میں بھی خوشی کا امیدوار ہوا کرتا ہے۔ مگر وہ دن سے راحت ملتی ہے ناگوار یوں اور بد فالیوں سے کشیدہ خاطر ہوتا ہے۔ اور قال اور احکام کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ مین بشریت کی وجہ سے ایسے اوقات میں بخومیوں سے خواہش کرتا تھا۔ کہ میری پیدائش کے بعد کے اوقات پر غور کریں۔ وہ نہایت اختلاف کے ساتھ میری عمر نکالنا شروع کرتے تھے۔ بعض سولہ سال کی بتاتے تھے اور بعض چالیس سے کچھ اوپر حالانکہ مین پچاس سال سے متجاوز ہو چکا تھا۔ بعض ساٹھ برس سے کچھ زیادہ بتاتے تھے۔

جب میری عمر اس کے لگ بھگ پہنچی تو مملک بیماریوں نے چاروں طرف سے آدایا۔ بعض ایک ہی وقت میں پیدا ہوئیں اور بعض یکے بعد دیگرے۔ نہایت یہاں تک پہنچی کہ انھوں نے ہڈیوں کو پارہ پارہ بدن کو چور چور حرکت تک سے معذور اور حواس باختہ کر دیا۔ باوجود اس کے کہ بڑھاپے سے قوی ہواؤں ہو چکے تھے مین نے طبیعت کو درست کرنے کی کوشش کی۔

جب میری عمر اسی سو سال میں پہنچی تو ایک ات کا ذکر ہے کہ مین نے خوب دیکھا کہ مین ہلال کے نکلنے اور ڈوبنے کے مقامات کو تلاش کر رہا ہوں لیکن وہ مجھے نظر نہیں آتے۔ اُسی حالت میں مجھ سے کسی کہنے والے نے یہ کہا کہ اس خیال سے باز آؤ ایک سو نو مرتبہ اُس کا بیٹا ہے۔ اس کے بعد جب مین جاگا تو وہ اس سال ماہ قمری کو شمس میں منتقل کیا اور ساٹھ پانچ مہینے گھٹا دیے اور یہ سب عطار دے کے سالوں کے قریب آئے جس کا بخومیوں نے ذکر کیا ہے کہ پیدائش کے وقت اس کا غلبہ ہوتا ہے۔

باوجود اس کے مجھے کچھ خوشی ہوئی۔ اس لیے کہ عمر بسر ہو چکی تھی اور اس میں صرف ایک کام کے کرنے کے واسطے تھوڑا سا حصہ رہ گیا تھا۔ وہ کام اُن کتابوں کا مکمل کرنا جو ناقص حالت میں موجود ہیں اور اُن مسودوں کا صاف کرنا جو ابھی تک ناصاف پڑے ہوئے ہیں مثلاً قانون سعودی وغیرہ..... اور اُن کتب ہند کا حوالہ قلم کرنا جن کا ترجمہ کرنا مقصود تھا۔

اس کے لیے خدا کی مدد و توفیق کی منتظر کرنے والی چیزوں سے امن و رازنی بدلتا تھا اور اہل سلامت جو اس اور عمر و اوقاف صحت بدن کے سوا کوئی چیز معین نہیں ہے۔ اس مقام کو پڑھ کر آنکھوں کے سامنے ایک معمر شخص کی تصویر پھر جاتی ہے جس کی مصروف زندگی کی دوپہر ڈھل چکی ہے اور شام اُٹھتی چلی آ رہی ہے۔ محنت شاقہ اور دماغی کاوش کا اعضا اور جوارح پر پورا پورا اثر نظر آتا ہے۔ بدن کی جستی اور جسم کی فرہی ناپید ہو چکی ہیں۔ اگلا زوریل سب سلب ہو چکا ہے اور دیکھنے میں اس کا پیکر خاک کی صورت میں استخوان رہ گیا ہے بلکہ ہڈیاں بھی گرم و سڑا زمانہ اور فکر و محنت مستمرہ کی بدولت رت گئی ہیں۔ لیکن اس جسم کو نہ دیکھو، اس روح اور دماغ کو دیکھو، جنہیں اُس نے ساری عمر لہو اور پسینے سے سینچا ہے، اُس کے گہرے پر نظر ڈالو، جہاں حکمت و فراست اور علم و تجربہ کے کبھی نہ ٹٹنے والے علامات روشن و پشانی اور نورانی آنکھوں سے آشکار ہیں۔ اُس کی ریش سفید یا خمیدہ کمر پر نگاہ نہ کرو، اُس کی ہمت عالی کو دیکھو کہ باوجود نصف صدی سے زیادہ مشقت اور صعوبتیں برداشت کرنے کے اُس کی اُمنگیں پہلے سے زیادہ بلند پرہیز ہیں۔ "قید مہستی اور بند غم" سے رہائی کے لیے وہ بیتاب نظر

نہیں آتا، اس لیے کہ جب وہ اپنی گزری ہوئی زندگی کے دفون کا محاسبہ کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیکار نہیں گئے اور ارکان نہیں بہتے اور جب مستقبل کا تصور کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ باقی ماندہ کام نبھانے کے لیے ایک عمر درکار ہے۔ پھر زندگی کیوں دو بھر ہو وہ موت کی طلب کس لیے کی جائے؟۔ زندگی اُسے عزیز نہیں ہو سکتی جس کی زندگی کے واپس نہ آنے والے دن اُس کے نامہ اعمال کی طرح سیاہ ہوں اور آنے والا زمانہ عقوبت و نوح کا بھی یہ نظر آتا ہو۔ ہاں ایسے شخص کی روح اسیر حیات نہیں ہونا چاہتی اور اسکے حق میں بلاشبہ یہی بہتر ہے کہ کالبدِ خاکی اپنی امانت کے بارے میں شک و شبہ نہ ہو جائے اور نفسِ غصری کو طائرِ روح مٹونا چھوڑ دے۔

بیرونی سے بڑھ کر ہم اگر نہ کر سکتے ہیں کہ خدا اُس کی عمر عزیز میں برکت دیتا۔ وہ جتنے دن جیسا اپنے مشاغل کا پابند رہا۔ افسوس، جو اندازہ بیرونی نے گزر رکھا تھا، اور جس کی تصدیق پر اُس کا دل مشکل سے آمادہ ہوتا تھا، اُس سے زیادہ جیسا نصیب نہوا۔ ۳۲۸ھ ہجری میں جب کی دوسری تاریخ اور جمعہ کا دن تھا اس میں ۱۰۴۹ھ کو پیامِ اجل آپہنچا اور عشا کے بعد اس فردِ قدید نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ بے دور باید کہ چرخِ ظفر بیاورد کسی چون تو بار در در کل عمر ۷۷ سال ۷ ماہ ہوئی ۳۲۸ھ

۳۲۸ھ ابوریحان کے شاگرد امام جلالِ رنجی کے خطابین امام ربیع اور یحیٰ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کے حاشیہ پر یہ تحریر تھا کہ شیخ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بعد عشا شب جمعہ ۲۔ رجب ۳۲۸ھ ہجری کو انتقال کیا۔ رنجی مصنف و جامع التعلیم ابوریحان کے مقلوب اور خادمین میں سے خاص شخص تھا۔ (الغضنفی) ۳۲۸ھ اور دوسرے موقع پر کسی دوسرے کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے کہ حکیم ابوریحان بیرونی کی عمر ۷۷ سال ۷ ماہ قمری کی تھی۔

غالباً غزنی میں وفات ہوئی اور وہیں سپرد خاک ہوا، لیکن آج کوئی نشان نہیں دیکھتا کہ دنیا کے علم کا وہ بے مثل فرد کہاں مصروف خواب ہے۔

بعد از وفات تربت مادر زمین مجھ

در سینہ ہاے مردم عارف مزار است

بیرونی کا متاثر ہونا تحقیق نہیں۔ اُس کے مکتوب میں ایک ایسا فقرہ ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ اُس کے کوئی اولاد نہ تھی اور غالباً اس نے ساری عمر تجرد میں گزاری۔ لکھا ہے۔

”میں نے اپنی اُن کتابوں کو، جنہیں آغازِ عمر میں تصنیف کیا تھا، اور جن کی تحریر کے بعد میری معلومات میں اضافہ ہو گیا، متروک نہیں کیا اور نہ خواہ جاتا۔ اس لیے کہ وہ سب میرے فرزند تھے اور اکثر لوگ اپنے شعرا و فرزند پر فریفتہ ہوتے ہیں“ دفترِ تاریخ میں کوئی دوسرا نام نظر نہیں آتا، جو بیرونی کے لقب سے موسوم ہو۔ اگر یہ صحیح ہے کہ اُس نے ساری عمر عالمِ تجرد میں گزاری اور علم کی خاطر اپنے آپ کو دنیا کے مکروہات میں پڑنے سے بچایا تو اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ بیرونی نے بہت بڑی قربانی چڑھائی اور ایشیا کا غیر معمولی حق ادا کیا۔

ہم نے اب تک جو کچھ لکھا وہ بیرونی کے مسلسل واقعات زندگی تحریر کرنے کی کوشش تھی۔ تاریخی مواد کی قلت کے باعث جایجا اس کی تصانیف کی مدد سے واقعات کا سلسلہ قائم کرنا پڑا۔ لیکن بیرونی کے عجیب و غریب افسانہ حیات کی حد اچانے کتنی حکایات ہیں جو دستیاب نہیں ہوئیں۔ جتنے مستند واقعات معلوم ہیں وہ چند انگلیوں پر شمار ہو سکتے ہیں، اور چاہے کتنی ہی تفصیل کے ساتھ کیوں نہ لکھے جائیں ان کے لیے محدودے چند اوراق سے زیادہ گنجائش درکار نہیں ہو سکتی۔ البتہ بیرونی کی زندگی کا ایک پہلو ضرور ایسا ہے جس کے تذکرے کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہو سکتے ہیں۔ ہمارا منشا بیرونی کے فضل و تبحر کی بے نظیر داستان سے ہے، جس کے ذکر میں ہر شخص اپنی باط کے موافق زور بیان صرف کر سکتا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم مضمون کے اس حصے یعنی تبصرہ و نقد کی طرف متوجہ ہوں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی کی تصانیف و مالیفات کی فہرست پیش کر دین کا ناظرین بجائے خود بھی اس کی وسعت علمی کا اندازہ کر سکیں۔

سب سے پہلے بیرونی کی ان تصانیف کو لیجیے جن کے نام اس نے اپنی وفات سے تیرہ سال پہلے مذکور بالا خط میں لکھے تھے۔ ان میں جن کتابوں پر اس کے علامت (*) ہے وہ ہند کے متعلق ہیں۔

تعداد اوراق

نام کتاب

نمبر شمار

۱ | نیچ خوارزمی کے عامل کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی جس میں بہرے ۲۵۰

- مفید مسئلے اور مضبوط جوابات درج کیے گئے تھے۔
- ۲ ابطال البرہان بایراد البرہان علی علل الخوارزمی، ابو طلحہ طیب نے
ترجمہ خوارزمی کے متعلق کچھ ایسی باتیں بیان کی تھیں جن کا رد و قبح
ضروری تھا۔
- ۳ اسی بابے میں بیرونی کو ابو الحسن خوارزمی کی ایک کتاب ملی، جس
میں خوارزمی کی حق تلفی کی تھی بیرونی نے ایک کتاب لکھ کر اس
نزاع کا عادلانہ فیصلہ کیا۔
- ۴ تکمیل زیچ حبش بالعلل و تہذیب اعمالہ من الزلل، مشہور نجوم احمد بن
عبد اللہ حبش کی بنا ہوئی زیچ علل کا اضافہ کیا اور ترجمہ مذکور میں غلطیاں
تھیں ان کی تصحیح کی۔ اس کتاب کا ایک تہائی ڈھائی سو ورق میں آیا۔
- * ۵ رجوع الموجدوطوط المودنی حساب التخیم، اس کتاب میں بیرونی
نے اہل ہند کے علم نجوم کی بابت نہایت مکمل تحقیقات درج کی
تھیں اور ہند ہند (سدھانت) پر مجتہدانہ تبصرہ لکھا تھا۔
- * ۶ ہیئت و نجوم ہند کے متعلق ترجمہ کر کے ایک نہایت مشہور کتاب تھی
اس کا ترجمہ بیرونی سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ لیکن وہ نہایت غیر
مفہوم اور الفاظ متروکہ سے معمور تھا۔ بیرونی نے اپنے الفاظ میں
جدید معلومات کی بنا پر اس کتاب کو نئے انداز میں تحریر کیا۔
- ۷ دو کتاب مقالید علم الہیۃ یا محدث فی بسط الکمر، اس کتاب کو
صفہ بن جلیجان مردبان بن رستم کے لیے لکھا تھا۔

۳۶۰

۶۰۵

۷۵۰

۵۵۰

۱۵۵

- ۸ * خیال الکسوفین عند الہند، آفتاب اور ماہتاب کے دو متحدہ اور
مساوی مداروں کے متعلق یہ کتاب تھی۔ اہل ہندوین یہ بحث
شہرت عام رکھتا تھا اور ان کے یہاں کوئی زچ اس سے خالی
نہ تھی، لیکن مسلمان ہندوین اس سے قطعاً واقف تھے۔
- ۹ ”امر لم یحق وتبصیر ابن کیسوم لم یقتن“ ابن کیسوم نے تحقیق سے
تجاوز کیا تھا۔ بیرونی اس کی کم علمی کا پردہ فاش کیا۔
- ۱۰ ”اختلاف الاقاول لا استخراج التحویل“، تحویلات کے استوعاب کسی
بتحریر بیرونی سے دریافت کیا تھا۔ بیرونی نے اس مضمون
کے متعلق تفصیلی بحث اس رسالے میں لکھی۔
- ۱۱ ”مقالہ فی التحلیل و التقطیع للتعديل“، ایک عالم کی فرمایش سے
جسے جداول تعديل شمس میں شک تھا اور طریق تحلیل حبش سے
اطمینان نہ ہوتا تھا۔ یہ رسالہ لکھا گیا۔
- ۱۲ موالید و پیدائش اور تحویل سنین وغیرہ کے واسطے جو ہیئت فلک
معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس کے متعلق ایک رسالہ
- ۱۳ ”مفتاح علم الہیئت“، قاضی ابوالقاسم العامری کی فرمایش سے
لکھا گیا۔ اس میں محض ”یادی ہیئت“ سے بحث کی گئی تھی اور
اشکال اور دشواریوں سے اجتناب کیا گیا تھا۔
- ۱۴ ”تہذیب فصول الفرقانی، ابوالحسن مسافر کے لیے کتاب فصول
الفرقانی، کے متعلق جو علم ہیئت پر تھی بیرونی نے یہ کتاب تصنیف کی

۲۰۰	<p>۱۵ ” افراد المقال فی امر الاطلاق ” علم مساحت میں ظل نامی خطوط مستقیم کی پیمائش وغیرہ کے متعلق جتنے امور ہیں ان سب کا مفصل اور مکمل تذکرہ اس کتاب میں کیا گیا تھا۔ یہ کتاب بھی ابوالحسن مسافر کے لیے لکھی تھی۔</p>
۱۰۰	<p>۱۶ ” استعمال دوائر السموات لاستخراج مآکز البیوت ” اس رسالے میں ستاروں کے خاتون کے مرکز نکالنے کے لیے دوائر سموات کے استعمال پر بحث کی گئی تھی۔ یہ کتاب بھی ابوالحسن مسافر کے واسطے لکھی گئی۔</p>
	<p>۱۷ ” مقالہ فی طالع قبة الارض وحالات الثوابت ذوات العروض ” وسط زمین اور ذوات العروض ستاروں کے جو خط استوا کے شمال میں واقع ہیں، حالات میں یہ رسالہ جرجان کے ایک منجم کے لیے لکھا گیا ایک چھوٹا سا رسالہ لیل و نہار کی مقدار کے متعلق جس میں نہایت سہل پیرایہ میں ثبابت کیا گیا تھا کہ قطب کے نیچے ایک سال کا ایک دن ہوتا ہے۔</p>
	<p>۱۸ اطوال البلاد اور عروض البلاد کے متعلق نیز مقامات کی سمتوں اور فاصلوں وغیرہ کی کیفیت میں حسب ذیل کتابیں بیرونی نے لکھی تھیں۔</p>
۱۰۰	<p>۱ ” تحدید نہایات الاماکن التصحیح مسافات المساکن ” موقوفوں کی حد بندی اور شہروں کے فاصلوں کی تصحیح کے متعلق۔</p>

۲	”تہذیب الاقوال فی تصحیح العروض والاطوال“ عرض ابلداور	۲۰۰
۳	طول البلد کی درستی کے متعلق۔	۲۰
۴	”تصحیف المنقول من العروض والاطول“ عرض و طول کے متعلق	۲۰
۵	گزشتہ بیانات کی درستی۔	۲۰
۶	”مقالہ فی تصحیح الطول والعرض لمساکن المعمر من الارض“	۲۰
۷	”عرض و طول کے متعلق ہر شہر کی تعیین“	۲۰
۸	”مقالہ فی استخراج قدر الارض برصد اسخطاط الافق عن قبال الجبال“	۲۰
۹	پہاڑ کی چوٹی سے افق کا نشیب نکال کر زمین کی مقدار (بیاباں)	۲۰
۱۰	کس طرح معلوم کی جائے۔	۲۰
۱۱	سنارہ اسکندریہ کے قریب غروب شمس کے بارے میں تحقیقات۔	۲۰
۱۲	اقلمیوں کی تقسیم کے متعلق کیا کیا اختلافات ہیں۔	۲۰
۱۳	عروض اور میل کے نکالنے کے متعلق اہل علم میں کیا کیا اختلاف ہیں	۲۰
۱۴	قبلہ کی صحیح جانب معلوم کرنے کے متعلق جوابات و سوالات۔	۲۰
۱۵	سمت قبلہ کے متعلق دلائل کی توضیح۔	۲۰
۱۶	قبلہ کی صحیح سمت دریافت کرنے کے لیے کن مشرطہ پر کار بند	۲۰
۱۷	ہونا ضروری ہے۔	۲۰
۱۸	تقوم القبلہ (قبلہ کا جغرافیہ) اور اُس کے طول اور عرض کی تصحیح۔	۱۵
۱۹	دو فی الانبعاث لتصحیح القبلہ، قبلہ کی صحیح سمت معلوم کرنے کے لیے	۲۵
۲۰	کیا کیا مشرطہ پوری کرنی چاہیے۔	۲۵

۱۵	کتاب دلائل قبلہ میں جو لغزشیں ہو گئی تھیں انکی تصحیح
	حساب کے متعلق۔
۳۰	۱* سند اور ہند کی رقموں سے حساب شمار۔
	۲* کعب (جمع کعب) اور کعب کے علاوہ حساب کے دوسرے
۱۰۰	۳* قاعدوں کا نکالنا۔
	۴* حساب سکھانے میں نقوش ہند (رسوم الهند) کی کیفیت۔
۱۵	۵* عدد کے مراتب میں اہل عرب کی رے اہل ہند سے بہتر ہے۔
	۶* راشیکاات الهند (اربیع متناسبہ)
۶۰	۷* فی سکت الاعداد جس کا آدھا ۳۰ ورق میں ہے۔
	۸* براہم سدھانت میں حساب کے جتنے طریقے بیان کیے گئے
۴۰	۹* ہیں اُن کا ترجمہ۔
	۱۰* رد منصوبات الضرب، ضرب نکالنے کے متعلق مختلف منصوبے
	(چٹکے)۔
	شعاعات اور ممر کے متعلق (یعنی علم الاشعہ یا علم المناظر کے متعلق جس میں شعاعوں اور ان کے گذر گاہوں کا ذکر ہوتا ہے)
	۱* ”تجربہ الشعاعات والانوار عن القصاص المدوّنتی الاسفار، شعاعوں اور روشنیوں کی بحث کے متعلق جو خراپیاں کتابوں میں جمع ہو گئی تھیں اُن کی اصلاح۔
۵۵	۲* ”تحصیل الشعاعات بالبعد الطرق عن المساعات، ساعتوں کے

۱۰	۳	نہایت دُشوار قاعدون سے شعاات کی کیفیت معلوم کرنا۔ ”مقولہ فی مطرح الشعاع ثابتاً علی تغییر البقاع“
۶۰	۴	”تمہید المستقر لمعنی الممر“ ممر کی حقیقت کے متعلق پوری بحث
		آلات اور ان کے استعمال کے متعلق کتابین یہ ہیں
	۱	اصطراب بنانے میں کتنی صورتیں ممکن ہیں۔
	۲	اصطراب کے ٹھیک کرنے اور اُس کے مرکبات شمالی و جنوبی کے استعمال کے سہل طریقے۔
۱۰	۳	”تسطیح الصور و تطبیح الکورا“ صور تون اور گرون کا پھیلانا۔
	۴	اصطراب کے کام میں لانے سے کون کون سے مسائل حل ہو سکتے ہیں یعنی اصطراب کے مختلف استعمالات کیا کیا ہیں۔
۳۰		”وفیما اخرج مافی قوة اصطراب الی الفعل“
۱۰	۵	اصطراب الکری کے استعمال کے متعلق۔
		ازمنہ اور اوقات کے متعلق۔
	۱	”تعبیر المیزان لتقدیر الا زمان“ اُس ترازو کا بیان جس سے اوقات معلوم کیے جاتے ہیں۔
۱۵	۲ *	اہل ہند کے یہاں زمانے کے اجزاء معلوم کرنے کے کیا قاعدے ہیں
۱۰۰	۳	نصاب کے روزے اور عید کے وقتوں کا ذکر۔
۲۰	۴	تاریخ اسکندریہ میں بیرونی سے جو لغزش ہو گئی تھی اُسکا اعتدال
۱۰	۵	عبد الملک طلیسبتی نے مبدأ و منتہا عالم کے متعلق جو بحث کیا

۱۰۰	الکھی تھیں اُن کی تجلیل۔ اس کتاب میں بیرونی نے اپنی ذاتی معلومات سے مسئلہ آغاز و انجام عالم کے متعلق مختلف قوموں کے عقائد بیان کیے تھے۔
	مذنبات (دمدار ستارے اور ذوائب (گیسودار ستارے) کے متعلق۔
۳۰	۱ کیا کیا آثارِ علوی ہیں جو دنیاوی واقعات کی رہبری کرتے ہیں
	۲ (مقالہ فی دلائل الآثار العلویہ علی الاحداث السفلیہ)
۷۰	یوہا (ہوا) میں جو ستارے نمودار ہوتے ہیں اُن کے متعلق بعض طبیوں کے دل میں خیالات فاسد تھے۔ بیرونی نے اُن کے خیالات کا ابطال کیا۔
۶۵	۳ اکواب ذوات الاذنب اور ذوات الذوائب دمدار اور گیسودار ستاروں کے متعلق تحقیقات۔
	۴ ہوا میں جو روشن چیزیں نمودار ہوتی ہیں اُن کا بیان۔
۱۵	۵ اکواب متقنہ دھڑلے والے ستاروں کے متعلق ابوسہل القوی کے کلام کا تصحیح۔
	متفرقات
۱۸۰	۱ منادل ترکی تحقیقات میں۔
۲۴۰	۲ ابوحنس عمر بن الفرخان کے نوادر و عجائبات کے متعلق تحقیق و توفص۔

۳۰	۳	مقالہ فی استخراج الاوتار فی الدائرہ عواصر الخط الممخنی، دائرے کے وترون کے معلوم کرنے کے متعلق
۳۰	۴	فلزات اور جواہر کے حجم میں کیا نسبت ہے۔
۱۰	۵	صحیح و سالم مسافر کتنی مسافت طے کر سکتا ہے۔
۲۰	۶	مقالہ فی نقل خواص شکل القطاع الی ما یغنی عنہ، شکل لقطاع کی خواص کی مکمل توضیح۔
۱۰	۷	اُن دو خطوں کے جو کسی ایک جگہ پر ملنے کے بعد کمین جا کر زمین نہایت قریب مقداروں میں کس طرح بکڑے ہو جاتے ہیں
۳۵	۸	دنیا میں گرمی کن وجوہات سے پیدا ہوتی ہے اور فصلوں اور موسموں کا اختلاف کس طرح واقع ہوتا ہے۔
۴۰	۹	در کتاب آسمان العلویہ، (علا بحت مذہبات وغیرہ) میں جو طرقت متعارفہ مذکور ہو اسے اُس کے متعلق بحث۔
۷۰	۱۰	«المسائل البلخیہ فی المعنی المتعلقہ بالکسارات الصناعیۃ»
۱۲۰	۱۱ *	ہندوستان کے منجموں کے یہاں سے جو سوالات آئے تھے اُن کے جوابات۔
	۱۲ *	کشمیر کے علمائے نجوم نے جو سوالات بھیجے تھے اُن کے جوابات احکام النجوم کے متعلق۔
	۱	کتاب التسمیہ لاول سناعۃ التجمیم، عام نجوم کے متعلق ابتدائی کتاب۔
	۲	مقالہ فی تفسیر القوی والدلائل الیہن الخیر و لیوت الاشیء

۱۵	بارہ برجوں کے درمیان قوتوں اور رہنما یون کا تقسیم کرنا (متعلق علم نجوم)	۱۵
۱۵	فی سیر نسیمی السعادت والغیب، اس میں ستاروں کے مختلف موقعوں سے طالع مولود میں جو اثرات ہوتے ہیں اُن سے بحث تھی۔	۱۵
۵۰	عمر نکالنے کے متعلق ہندوؤں کا کیا قاعدہ ہے۔	۵۰
۷	فی الارشاد الی تصحیح المبادی علی النموذارات (نجوم کے متعلق)	۷
۷	فی تبیین رسالے بطلمیوس فی سائنسہ	۷
۷	براہمہ کی کتاب موالید الصغیرہ کا ترجمہ۔	۷
	ہزل و سٹیفٹ مین	
	ترجمہ قصہ واقع و عذرا۔	۱
	قسیم السرور اور عین الحیات کی کہانی۔	۲
	ارمزدیارا اور مہر یار کا قصہ۔	۳
	باسیان کے بتوں کی کہانی۔	۴
	دافنہ اور کرامی دخت جھلی الوادی کی کہانی۔	۵
	حکایت رستم بیستی و برہنہ کر بزبان نیلوفر۔	۶ *
	الی تمام کے شعر میں جتنے الف کے قافیہ آئے ہیں اُن کا پورا ذکر	۷
	مقالہ فی لایتخار فی قد الاشجار، درختوں کے قد و قامت کے متعلق علمی تجزیوں کا ذکر۔	۸

- ۹ مساحت کا درست کام بہولت تمام کس طرح انجام دے سکتے ہیں اس رسالے میں ایسے طریقے بیان کیے گئے تھے جن کی مدد سے نہایت آسانی کے ساتھ پیمائش ہو سکتی تھی۔
- ۱۰ "التحذیر قبل التمرک" ترکوں کی جانب سے جو اندیشے ہیں ان سے لوگوں کو بچانا۔
- ۱۱ "القرعہ المصریہ بالعواقب" قرعہ جس میں انجاموں کا صاف صاف حال معلوم ہو جائے۔
- ۱۲ "القرعہ المثنیۃ لاستنباط الضمائر المحتملۃ" مخفی ضمیروں کے معلوم کرنے کے متعلق قیمتی قرعہ۔
- ۱۳ "شرح مزامیر القرعہ المثنیۃ" مسئلہ کی شرح۔
- * ۱۴ کلب یارہ کا ترجمہ۔ اس میں ان امراض سے بحث کی گئی تھی جو عفونت سے پیدا ہوتے ہیں۔ عقائد کے متعلق۔
- * ۱ "در کتاب فی تحقیق نالہند من مقالہ مقبولہ اور ذولہ" در کتاب المصنوعہ
- ۲ "در نیاچون میں برجوں کی علامتوں کو حروفِ جمل کے ذریعہ سے کیوں ظاہر کیا جاتا ہے۔
- ۳ "کلام فی المستقر والمستور" مرکز کے متعلق۔
- * ۴ "مقالہ فی تاسید و التحدید عند عجیۃ الادنی" تاسید کے ادب کے حالات (جو نوں) میں ظاہر ہونے کے بارے میں اہل ہند کے

کیا خیالات ہیں۔

۵ "ترجمہ کتاب سائنک فی الموجودات المحسوسہ و المعقوله"

۶ "ترجمہ کتاب باتخیل فی الخلاص من الازیباک"

اس فہرست کے بعد بیرونی لکھتا ہے۔۔

۱۔ اس کے علاوہ وہ کتابیں جو میری تصنیف کی ہوئی ہیں اور جن کے

لئے میرے پاس سے چلے گئے ہیں بہت ہیں۔ مثلاً

۱۔ "المتنبیہ علی صناعہ التعمید"

۲۔ "تلخیص سازی کے متعلق"

۳۔ "تفویر المتناہج الی تحلیل الازلیاج"

۴۔ "زیچون کو کس طرح حل کیا جائے"

۵۔ "التطبیق" الی تحقیق حرکۃ الشمس

۶۔ "سورج کی گردش کی تحقیق"

۷۔ "البرہان المنیر فی اعمال التیسیر"

۸۔ "کیمیاء و اعمال کے متعلق"

۹۔ "تتبیح التواریخ"

۱۰۔ "تاریخون کے تحقیق کرنے کے متعلق"

۱۱۔ "وامثال ذلک"

اس کے بعد بیرونی نے اپنے خواب کا حال لکھا ہے جس کا تذکرہ اوپر

کیا جا چکا ہے۔ پھر بیان کیا ہے کہ ابھی تک مجھے بہت سی کتابوں کا پورا کرنا باقی

ہے جو میرے پاس ناقص حالت میں پڑی ہیں یا مسودوں سے ابھی تک صاف

نہیں کی گئی ہیں۔ مثلاً

۱۔ "تائون مسعودی"

- ۲ آثار الباقیہ عن القرون الخالیہ (۱)
- ۳ «الارشاد الی مایدرک ولایتنا لی من الابد ماد» جو دور بیان اور خاصے وکھائی
دین اور وہاں تک پہنچ سکیں انکو کس طرح معلوم کیا جائے۔
- ۴ «الکتاب فی المکامیل والموازین وشرائط الطیار والشواہین» یہاں ان اور
وزنون کا ذکر اور ڈنڈی کے دونوں حصوں کے شرائط کے متعلق۔
- ۵ «جمع الطرق السائرہ فی معرفۃ اقدار الدائرہ» دائرہ کے وتر معلوم کرنے کے
متعلق جتنے قاعدے معلوم ہیں ان سب کا ذکر۔
- ۶ «تصور امر الفجر و الشفق فی جہتی الشرق والغرب» طلوع صبح اور شفق کے متعلق۔
- ۷ «تکمیل صناعہ لتسطیح» علم لتسطیح کرہ کا مکمل بیان۔
- ۸ «جلا الاذہان فی نیچ البتانی» مشہور مهندس البتانی کی نیچ کے متعلق۔
- ۹ «تحدید لمعورہ و تصحیح فی الصورہ» ملکون اور شہرون وغیرہ کی حد بندی
اور نقشے میں ان کی تصحیح کے بیان ہیں۔
- ۱۰ «دلیل زتیج جعفر المکتبی بابی عشر» مشہور منجم ابو عشر (Albumaseer)
کی زتیج کے متعلق۔ نیز وہ تمام کتب ہند جن کا ترجمہ کرنا چاہتا ہوں،

آگے چل کر لکھا ہے کہ جب تک صحت حواس، قوت بدن اور بے فکری
میسر نہ آئیں یہ کام انجام نہیں پاسکتا۔ اخیر میں ان کتابوں کی فہرست دی ہے
جن کو بیرونی کے احباب نے (بلاشبہ اس کی مدد و فرمایش یا اشارے سے)
بیرونی کے نام پر لکھا تھا۔ یہ موقع یہ یاد رکھنا چاہیے کہ متقدمین میں استاد

یا کسی بڑے فاضل یا کسی عزیز دوست کے نام سے کتابیں لکھنے کا عام دستور تھا۔
اُستاد اور فضلا بھی اسے ناپسندیدہ نہ سمجھتے تھے اور اکثر اپنے معتقدین کی کتابوں
کی اصلاح خود کر دیا کرتے تھے۔ افلاطون اور سقراط کے دوسرے شاگردوں
نے اپنے اُستاد کے نام سے اُس کی وفات کے بعد بہت سی کتابیں لکھیں مثلاً
افلاطون کی ”ریپبلک“ انگریزی Republie یہ کتابیں جو ابو نصر،
ابو سہل اور ابو علی نے بیرونی کے نام سے تصنیف کی تھیں، بلاشبہ اُن کی عقیدت
اور محبت کی یادگار ہیں اور اس میں شبہ کلام ہو سکتا ہے کہ اُن کی تالیف میں
اُن کے لایق اور عزیز دوست کا مشورہ شریک ہے۔

ابو نصر منصور بن علی بن عراق مولیٰ امیر المومنین نے بیرونی کے نام سے
حسب ذیل کتابیں لکھی تھیں۔

- ۱ کتاب فی السموت ”سمتوں کے متعلق۔“
- ۲ کتاب فی تصحیف التعلیل عند صحابہ السدیدہ۔
- ۳ کتاب فی تصحیح کتاب ابراہیم بن سنان فی تصحیح اختلاف الکواکب العلویہ۔
- ۴ کتاب فی براہین اعمال جہنم و قبل التقوم ”مشہور عند س حبش نے جو جغرافیہ
جدول سیار کی تھی اُس کی صورت متعلق ابو نصر نے دلائل لکھے۔“
- ۵ ”رسالہ فی تصحیح واقع لابی جعفر الخازن من السہونی زیچ الصفاح“، زیچ
صفاح میں بابی جعفر خازن سے جو سہو ہو گئے تھے اُن کی درستی کی غرض
سے یہ کتاب لکھی گئی۔
- ۶ رسالہ فی مجازات دوائر السموت فی الاصطلاب ”اصطلاب میں سمیتیں

ظاہر کرنے والے دائرے کہاں کہاں ہو کر گزرتے ہیں۔

۷ رسالہ فی جدول الدقائق۔

۸ رسالہ فی براہین علی عمل محمد بن صباح فی امتحان شمس محمد بن صباح نے ترصید شمس کے متعلق جو اپنی تحقیقات لکھی تھیں ان کے دلائل میں یہ رسالہ لکھا گیا۔

۹ رسالہ فی براہین علی عمل حبش فی مطالع بہمت فی زیچہ حبش کی زیچہ میں مطالع بہمت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا تھا اس پر دلائل لکھی گئیں۔

۱۰ رسالہ فی دوائر التی تحد الساعات الزمانیہ، ساعات اور وقت کے متعلق۔

۱۱ رسالہ فی معرفۃ نفسی الفلک لطریق غیر طریق النسبۃ المولفہ، اس رسالے میں قوسہائے فلک کے معلوم کرنے کا نیا طریقہ بیان کیا گیا تھا۔

۱۲ رسالہ فی حل شبہ عرضت فی الثالثہ عشر من کتاب الاصول، کتاب الاصول کے تیرھویں باب میں جو شبہ پیدا ہوا تھا اس کا حل۔

ابوہل مسیحی نے بیرونی کے نام سے یہ کتابیں لکھیں۔

۱ کتاب مبادی الهندسہ۔

۲ کتاب رسوم الحركات فی اشیاء ذوات الوضع، اشیاء محسوسہ میں کیا کیا نقوش حرکت پائے جاتے ہیں (۹)۔

۳ کتاب فی سکون الارض او حرکتہا۔ حرکت و سکون ارض کے متعلق بحث کی گئی تھی۔

۴ کتاب فی التوسط بین ارسطوطالیس و ابجالیئوس فی الحکما الاول بالبدن الطبیعیات

۱۔ کے مسئلہ، محرک اول کے متعلق ارسطو اور جالینوس کے خیالات کا موازنہ اور

ان دونوں حکیموں کی رائے میں درمیانی راہ کا پتہ لگانا۔

۵ رسالہ فی دلالات الفاظ علی المعنی۔ لفظ معنی سے دلالت کرتا ہے (بحث منطوق)

۶ رسالہ فی سبب بردایم الجوز، موسم سرما کے نہایت سرد ایام جو ہوتے

ہیں ان کی سردی کا کیا سبب ہے۔

۷ رسالہ فی علل التریبہ (۹) الی مستعل فی احکام النجوم۔

۸ رسالہ فی آداب صحبت الملوک۔ بادشاہ کی ہم نشینی کے آداب۔

۹ رسالہ فی قوانین الصناعہ۔ نجوم کے قوانین۔

۱۰ رسالہ فی دستور الخط۔ تعلیم رسم الخط کے متعلق۔

۱۱ رسالہ غزلیات شمسیہ۔ آفتاب میں سیاہ داغ کیسے ہیں۔

۱۲ رسالہ النرجسیہ۔ در سالہ نرگسیہ

ابو علی الحسن بن علی الجیلی نے بیرونی کے نام پر رسالہ "دمن عن" لکھا

اس کے بعد یہ خط ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے۔

”اب میں نے تمہارے سامنے وہ کتابیں عرض کر دیں جو میرے پاس

ہیں، تاکہ تمہیں جس کی ضرورت ہو معلوم کر لو۔ وہی میں تمہیں بھیج دوں۔ والسلام

اس خط میں فہرست کے ختم ہو جانے پر ناظرین نتائج ذیل پر جو فہرست ہذا

سے ماخوذ ہیں غور کریں۔

- ۱۔ بیردنی نے اپنی تصنیف کی ہوئی کتابوں کے جو نام لکھے ہیں، اُن کی تعداد ایک سو چودہ ہے!۔
- ۲۔ ان میں بعض ضخیم کتابیں ہیں اور بعض چند ورق کے رسالے ہیں۔
- ۳۔ بعض کتابوں کے آگے ورقوں کی تعداد بھی لکھی ہے۔ شمار کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھلہ۔ ۱۱۴۔ کتابوں کے ۶۶ کتابوں کے اوراق کی تعداد ۸۷۔ ۶۶ (۴۷۳۳۷۳) صفحہ ہے۔ باقی ماندہ ۷۴ کتابوں میں جن کے اوراق کی تعداد نہیں لکھی ہے، بعض کتابیں بلاشبہ کافی ضخیم ہیں مثلاً قانون مسعودی، آثار الباقیہ وغیرہ۔
- ۴۔ کتابوں کی یہ فہرست بالکل نامکمل ہے۔ یعنی ان ۱۱۴ کے سوا اور بہت سی کتابیں بیرونی لکھ چکا تھا اور بہت سی زیر تصنیف تھیں بخط میں تھیں اُن کتابوں کا ذکر کیا ہے جو خط کے لکھتے وقت موجود تھیں اور جن کو دوست کے طلب کرنے پر بھیج سکتا تھا۔ چنانچہ ناظرین کو وہ موقع یاد ہو گا جہاں لکھا ہے کہ جن کتابوں کے نسخے میرے پاس نہیں ہیں وہ بہت ہیں جن میں سے مثال کے طور پر چار پانچ کے نام بھی لکھ دیے ہیں۔ آگے چل کر جب غیر مکمل نسخوں کا ذکر آیا ہے تو وہاں بھی یہی کہا ہے کہ ایسی کتابوں کی اتنی تعداد ہے کہ بقیہ عمر اُن کی تکمیل کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔ سرسری طور پر دس کتابوں کے نام بھی لکھ دیے ہیں۔
- ۵۔ معتد بہ تصانیف دوسروں کی فرمایش اور خواہش سے لکھی گئی ہیں اور حلقہ سائلین میں جرجان، بلخ، نوارزم، ہندوستان اور کاشمیر کے علما

شامل ہیں۔ نیز بہت سی کتابیں تصحیح، تہذیب، ترتیب، تفسیر اور رد و جواب کی حیثیت سے لکھی گئی ہیں۔

ان مقدمات کو ذہن نشین کر لینے کے بعد تذکرہ نویس کا فرض ہے کہ فہرست کی تکمیل کی غرض سے ان کتابوں کے نام بھی درج کر دے جو دوسرے مستشرقین سے معلوم ہوئے ہیں۔ حسب ذیل کتابوں کے نام بر سبیل تذکرہ شمار الباقیہ میں آئے ہیں اور یہ فہرست مندرجہ بالا میں شریک نہیں ہیں۔

(۱) کتاب الاستشہاد باختلاف الارصاد۔

(۲) کتاب الارقام۔

(۳) کتاب فی الاخبار القرامطہ والمبعضہ۔ فرہماے قرامطہ و مبعضہ کی تاریخ۔

(۴) بحث بیرونی و ابن سینا دیارہ التقویم یونان۔

(۵) کتاب العجائب الطبیعیہ والغرائب الصناعیہ۔

اسی طرح پر کتاب الہند کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل کتابیں جو بیرونی کتاب الہند کی تصنیف سے پہلے لکھ چکا تھا، شامل فہرست نہیں ہیں۔

۱ * برہم گیت کی پانی ساسی دھانت کا ترجمہ۔

۲ * برہم گیت کی برہم سدھانت۔

۳ * ترجمہ لکھو جاتھ منصفہ و راعہ میر۔

نیز کتاب الہند کی تصنیف کے وقت بیرونی حسب ذیل کتابوں کی سنسکرت میں ترجمہ کر نے میں مشغول تھا۔

۴ *	تقریر اقلیدس۔	
۵ *	کتاب المحیطی۔	
۶ *	اصطراب بنانے کے قواعد خود اپنی تصنیف سے۔	
۷ *	مفتاح الہدیت۔	
	ان بارہ کتابوں کا بیہ کتاب الهند اور مختار الباقیہ سے چلا ہے۔ اس واسطے	
	ذیل کی کتابیں جو منور شاہین ندین آئی ہیں، طاجی خلیفہ کی مشہور فہرست	
	کتاب "کشف الظنون عن الاسامی الکتاب والفنون" سے معلوم ہوئے ہیں۔	
(۱)	ارشاد فی احکام النجوم۔	۱ نسخہ (۲۵۸)
(۲)	استیعاب فی تسطیح الکمرہ۔	۱ نسخہ (۲۷۷)
(۳)	البحاہر فی الجواہر۔	۲ نسخہ (۲۰۸)
(۴)	تعلیل باحوالہ الوہم فی معانی النظم۔	۲ نسخہ (۳۲۴)
(۵)	شرح ابوتام۔	۳ نسخہ (۴۵۲)
(۶)	زینج العلانی۔	۴ نسخہ (۲۶۷)
(۷)	کتاب الاحجار۔	۵ نسخہ (۳۲)
(۸)	کتاب تسطیح الکمرہ۔	۵ نسخہ (۶۲)
(۹)	کتاب الصيدلہ۔	۵ نسخہ (۱۱۶)
(۱۰)	مختار الاشعار والاثار۔	۵ نسخہ (۲۳۵)
(۱۱)	خلاصۃ المحیطی۔	۵ نسخہ (۳۸۶)
(۱۲)	زینج المسعودی (قانون المسعودی)۔	۳ نسخہ (۵۶۸)

نیز غلام حسین جو پوری نے اپنی تالیف جامع بہادر خانی ۱۸۳۵ء میں صفحہ (۱۹۸) پر بیرونی کی ایک کتاب "لمعات" کا ذکر کیا ہے جو علم الابصار (علم المناظر والانعکاس) میں لکھی گئی تھی۔ اس میں سے جامع بہادر خانی کے مولف نے چار سکین منتخب کی ہیں۔ ماسوائے ان کے ابو الفضل بن الحسن البیہقی نے تاریخ بیہقی میں لکھا ہے کہ میں اپنی کتاب کی دسویں جلد میں تاریخ خوارزم کا حال لکھوں گا اور خوارزم کے تاریخی حالات میں ابوریحان کی تاریخ خوارزم سے مدد لون گا جسے میں نے چند سال ہوئے دیکھا تھا۔ علاوہ بریں حسب ذیل کتابیں بیرونی کی تصانیف سے ایسی ہیں جن کے نام کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم نہیں ہوئے اور جو اس وقت یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

- ۱ کتاب الدرر فی سطح الاکر (بوڈلین لائبریری)
- ۲ کتاب نزہۃ النفوس والافکار فی خواص الموالید الثلاثۃ المعاویۃ النبات والاحجار۔

بیرونی کی تالیفات کا تذکرہ ناکمل رہ جائے گا اگر ہم اخیر میں ان مسلمی نسخوں کی تفصیل فہرست بھی شامل نہ کریں، جو ہمارے علم میں دنیا کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

- | | | | |
|---|-------------------------|---|--------------------------------|
| ۱ | استیعاب الوجوہ الممکنہ۔ | ۲ | نسخہ (۱) برلن (۲) بوڈلین گسفرڈ |
| | کتاب الدرر۔ | | نسخہ (۱) بوڈلین۔ |

۳	مقارہ فی سہمی السعادت الغیب -	النسخہ (۱) بوڈلین -
۴	نزہۃ الافکار -	النسخہ (۱) " -
۵	الجماہر فی الجواہر -	النسخہ (۱) اسکوییل (بیروت) -
۶	ترجیٰ احیک (فی اشیکات الہند) -	النسخہ (۱) انڈیا آفس لائبریری -
۷	فی تسہیل التسلط علی الاصطلاح فی العمل -	النسخہ (۱) برلن -
۸	آثار الباقیہ -	۳ نسخہ (۱) برٹش میوزیم (۱۷۷۹ء) (۲) سرسہری لائبریری (۱۲۵۳ھ) (۳) کتب خانہ قومی پیرس -
<p>افسوس ہے کہ آثار الباقیہ کے تمام نسخے بہت قریب زمانے کے لکھے ہوئے ہیں اور کتاب کے بہت سے مقامات چھوٹے ہوئے ہونے کے علاوہ جابجا قلم کی غلطیاں بھری ہوئی ہیں۔ زانہ صاحب نے بہت کوشش کر کے حتی المقدور ان خرابیوں کو رفع کیا ہے، لیکن اوقتیکہ کوئی مکمل اور صحیح نسخہ دستیاب نہو جائے یہ خرابیاں آخر کیسے رفع ہو سکتی ہیں۔</p>		
۹	کتاب الہند -	۳ نسخے (۱) ہوسٹو سفیر دہلی پرانا نسخہ ہے اور بہت صحیح ہے بیرونی سے ۱۲۹ سال بعد لکھا ہوا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیرونی کے نسخے سے براہ راست نقل کیا گیا ہے، (۲) پیرس کتب خانہ قومی، (۳) قسطنطنیہ - یہ دونوں نسخے شیفر دہلی

نسخے کی نقل معلوم ہوتے ہیں۔

۱۰۔ صیدہ (یا صیدہ نہ) نسخہ لٹن لائبریری مدرسہ العلوم علی گڑھ (۱۸۸۷ء)

یہ کتاب لغات طب میں ہے۔ اس کا ترجمہ ششم ہجری (۱۱۷۷ء) کے بعد ہندوستان میں عثمان الکاشانی نے کیا تھا۔ مترجم نے لغت اور حمد کے بعد لکھا ہے۔

چنین گوید ابن الکاسی دیم الدبر کہ حیوۃ کہ میچ انیس ترخرومند رادرواقات تنہائی چون مطالعہ کتب نیست۔ و فوائد الیفات علماء تصنیفات حکما نزدیک باب الباب ازان روشن ترست کہ بمقرآن اطنای حاجت افتد۔ ابوریحان گوید کہ دینا این کتاب صیدہ رجوع در حل مشکلات بشیخ ابو حامد بن محمد بن احمد سہ مشقی کردم زیرا کہ او در عمد خود از انبائے جنس خود و علم لغت و طب ثننی بود و تصانیف متقدمان دین ہر دو نوع علم سماع کردہ و برجملہ لائل و نکات و رموز و اشارات اطلاق تمام یافتہ۔ و تالیف این کتاب بر ترتیب حروف بحکم اتفاق افتاد و انتفاع از سہ آسان ترست (انتشار الدلتانی بستیقین۔)

کتاب کی ترتیب اس طرح پر ہے کہ پہلے مصنف (مفرد) دو کا نام، جو عام

طور پر مشہور ہوتا ہے دیتا ہے، بعدہ عربی، یونانی، سریانی، عبرانی، خوارزمی، فارسی، عجمی، ہندی، سندھی وغیرہ وغیرہ زبانوں کے الفاظ ہم معنی کا ذکر کرتا ہے اور پھر اس کی خاصیت بیان کرتا ہے۔

لٹن لائبریری والے نسخے کے اخیر میں یہ عبارت سرخ روشنائی سے لکھی ہوئی

ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ اصل صیدہ کا خلاصہ ہے لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ خود ابن الکاسی نے خلاصہ کیا تھا یا کسی دوسرے شخص نے۔

(سرخ) در این صید را بر سبیل ایجا از نوشته شد و آنچه از دور بایست و محتاج تر بود با و کرده شد تا زودتر مقصود حاصل آید،

(سیاه) تمت تمام شد بتایخ یکم جاوی الاخرتله (۸۰۰ هجری)
 یہ نسخہ عربی خط میں لکھا ہوا ہے لیکن غلطیاں جا بجا پائی جاتی ہیں۔
 ۱۱ کتاب التفتہیم (عربی) ۳ نسخہ (۱) و (۲) بودلین (۳) برلن۔

(فارسی) ۴ نسخہ (۱) برٹش میوزیم (۲) موسی شیفر (۳) و (۴)

لٹن لائبریری مدرستہ العلوم علی گڑھ۔
 مدرستہ العلوم علی گڑھ کی لائبریری میں جو دو نسخے ہیں وہ اصل کتاب سے دو علیحدہ شخصوں
 کے ترجمہ کیے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ کتاب کے ابتدائی جملے ذیل میں لکھے جاتے
 ہیں جس سے دونوں ترجموں کا فرق معلوم ہوگا۔

نیا نسخہ

پُرانا نسخہ

و انشتن صورت عالم و چگونگی بنا و آسان و	و انشتن صورت عالم و چگونگی آفرینش آسان
زمین و آنچه بیان ہر دوست بروی شنیدن	و زمین و آنچه بیان ہر دوست فہمیدن
و بتقلید گرفتن همچون چیز ساخت سودمند است	بعل آوردن آنها بسیار سودمند است
اندر پیشہ نجوم زیرا کہ گمش یا مہا و لفظہا	و علم نجوم زیرا کہ اصطلاحی بنا مہا و لفظہا کہ
کہ منجمان دارند و کند و صورت بستن معانی	منجمان بکار برده اند و اگر در صورت
آسان گرد و تا چون بعلتہا و جہتا آن باز آید	بستن یعنی آن آسان گرد و تا چون بعلتہا
و آن را بحقیقت خواہد نابدانند نشہ و فکر	و حجتہا برسد و بدانند و از اندیشہ و فکر آسودہ ہو
آسودہ بود و دینج از ہر دوستی برا و گرد نیاید۔	و رنج آن بر علم و متعلم آسان باشد۔

و این نسخہ را یادگار نوشتہ برے ریچاء
بنت الحسن الخوارزمیہ کہ خواہندہ این علم
بود بر طریق سوال و جواب کہ بفہم بتدی
آسان تر بود۔ واجبہ اگر دیم ہندسہ اول
پس بشمار و پس بصورت عالم پس بحکم
بخوم زیر کہ مردم را نام مخفی سزاوار نشود
تا این چار علم تہامی نداند و ایرد و تعالے
توفیق دہندہ است بر صواب گفتار و کردار
بہمت خویش۔

و این یادگار بخچنین کردم مرچاء بنت
الحسن الخوارزمیہ را کہ خواہندہ او بود بر طریق
پرسیدن و جواب دادن کہ خوب تر بود و صورت
بستن آسان تر بود۔ واجبہ اگر دیم ہندسہ
پس بشمار و پس بصورت عالم پس
بحکم بخوم زیر کہ مردم را نام مخفی را البسزاوار
نشود تا این چار علم را تہامی نداند۔ و ایرد
تعالی توفیق دہندہ است بر صواب گفتار
و کردار بہمت خویش۔

یہ اختلاف عبارت آگے جا کر بہت کم ہو جاتا ہے حتی کہ بعض اوقات پوری
عبارت کے الفاظ دونوں نسخوں میں بالکل یکساں ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے
کہ دونوں ترجمے لفظی ترجمے ہیں۔

پہلا نسخہ ایک پُرانا نسخہ ہے جس میں کل (۱۳۴) ورقے ہیں۔ اس نسخے
کی تقطیع ۱۰۷۱ ہے۔ اس میں انیس کے دس بارہ ورقے باقی کتاب سے زیادہ
پُرانے اور کسی دوسرے شخص کے لکھے ہوئے ہیں۔ دونوں کاتب کم علم اور
کتاب کے مضامین سمجھنے کے ناقابل ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں نسخے
میں جتنی غلطیاں ہوں کم ہیں۔ کئی جگہ تو کوئے صفحے چھوٹے ہوئے ہیں جس سے
صاف معلوم ہوتا ہے کہ یا تو کاتب اُن جداول کو جو اُن موقعوں سے تعلق
رکھتی ہیں خود نہیں سمجھا یا جس نسخے سے اُس نے نقل کیا ہے وہ ایک نامکمل

نسخہ تھا۔ اس نسخے کا خط شکست ہے اور طرز سے میں انداز کرتا ہوں کہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سے پہلے کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ اس نسخہ کے پہلے صفحہ پر یہ عید خان کے نام کی چھوٹی سی ٹھہر لگی ہوئی ہے جس میں ۶۱۷ھ ہجری لکھا ہوا ہے۔

دوسرا نسخہ ۶۶۲ھ ہجری (۱۲۵۸ء) کا لکھا ہوا ہے۔ یہ ایک خوش خط اور غالباً صحیح نسخہ ہے۔ تقطیع کم و بیش ۱۲-۸-۸ انچ اور کاغذ ہکا نیلگون ہے۔ باقی حالات حسب ذیل عبارتوں سے جو نسخے کے اخیر میں لکھی ہوئی ہیں معلوم ہوں گے (روشنائی) ”دسپری شد روز استاد از همراه سال برسی صد و نود و ہشت یزدجر وی مطابق ۱۲۵۸ھ ہجری“

”الحمد للہ حسب الارشاد جناب علی القاب نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر متخلص نہ تیر و خشان بروز آدینہ ہفتم ماہ عید روز کشا سال ۱۲۵۸ھ ہجری مطابق ۱۷-۱۱-۱۱ ماہ اگست ۱۸۴۸ء این تطہیر بہ تحریر رسید“

پہنسل سے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔
 ”این کتاب تفہیم بدویم ستمبر ۱۲۵۸ھ و شنبہ بمقام دہلی بقا باہر از عاشق بیگ ولد مرزا اکبر بیگ مهندس دہلوی و میر حسن صاحب از مقابلہ منقول عنہ مندرغ یافت۔ (نیر خشان)

اصل کتاب از کتاب خانہ سپر ملا فیروز بن ملا کاؤس پارسى بیبی معرفت صاحب سکرتر عظم رسید و بود کہ صحیح و مقابلہ نمود و ملا کے مذکور بود کہ علم علمائے پارسیان بود۔ نیز“

یہ نسخہ چونکہ واضح لکھا ہوا ہے اس میں ۳۹۶ صفحے ہیں۔ مضامین کی بہتر

تفصیل صفحات ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

۲۶-۳۰ فن ہندسہ + ۲۷-۳۱ فن حساب
۱۶۴-۲۶۶ فن ہیئت + ۱۶۴-۲۱۴ فن معرفت تقویم
۲۱۴-۳۹۶ مسائل متعلق فن نجوم

یہ رسالہ نہایت سہل پیرایہ میں سوال و جواب کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ نہایت دشوار مسائل چھوڑ دیے ہیں اور ابتدائی کی آسانی کے لیے شکلون اور نقشون کو کثرت سے استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ ناظرین کو رسالے کی ابتدائی عبارت سے معلوم ہوا ہو گا یہ رسالہ بیرونی نے ایک حنائون کے واسطے (جس کا نام ریحانہ بنت الحسن تھا اور جو بیرونی کی ہم وطن تھی) لکھا تھا۔ خواتین اسلام کی فہرست میں ریحانہ موصوفہ کا نام بحیثیت شایع علوم ہونے کے اضافہ کیے جانے کے قابل ہے۔ بلاشبہ ریحانہ کی مثال اس زمانے کے علمی شوق اور مسلمانوں کی تعلیمی حالت پر گہری روشنی ڈالتی ہے۔ میں اسے مجھ سے اتفاقہ شال ماننے کے لیے بالکل آمادہ نہیں ہوں بلکہ مجھے یقین واثق ہے کہ چوتھی پانچویں صدی کے روشن علمی دور میں خواتین اسلام بھی علم کی ویسی ہی دلدادہ تھیں جیسے مرد اس زمانے کے مردوں اور عورتوں کی حالت بلاشبہ ہماری موجودہ تعلیمی حالت سے بالکل جدا گانہ تھی، اور بلاخوف تردد کہا جاسکتا ہے کہ ہماری تعلیمی ترقی بجاے اس کے کہ غیرون کی مثال کی محتاج ہو قومی روایات کی زیادہ محتاج ہے۔

بخوم کے حصے کو چھوڑ کر جس مین فی زمانہ دلچسپی نہیں لیا سکتی کتاب کے باقی تمام حصے نہایت قیمتی اور کارآمد معلومات سے معمور ہیں اور میرا خیال ہے کہ ان کی اشاعت مفید اور دلچسپ ثابت ہوگی۔ اگر فرصت ملی تو کتاب تقسیم کے وہ مقامات، جو تاریخی اہمیت رکھتے ہیں، کسی وقت ضرور شائع کر دوں گا۔ انشاء اللہ

۱۲۔ قانون سعودی۔ ۵ نسخے۔ (۱) بوڈلین لائبریری آکسفورڈ (۲) برلن

بن کا نسخہ سب سے پُرانا نسخہ ہے اور اس کی کتابت کا زمانہ ۱۲۵۴ھ بمطابق ۱۸۳۹ء عیسوی میں ہی تھا۔ اس کے بعد ۳۵ سال بعد کا زمانہ ہے۔ اس نسخے کے کچھ اجزاء کے فوٹو العلوم کی لائبریری کے واسطے منگائے گئے ہیں کتاب کا ابتدائی حصہ مفقود ہے اُس موقع پر جان قانون کا اخیر مقالہ ختم ہوتا ہے کتاب نے لکھا کہ میں مصنف کے اصل نسخہ سے فلان تاریخ کو مقابلہ کر کے فارغ ہوا یہ نسخہ نہایت بیش بہا چیز ہے اور قانون سعودی کی تصحیح اور اشاعت میں اس سے بہت کچھ مدد ملے گی۔

برٹش میوزیم کے نسخے کی تاریخ شہر سبھی ہے اور یہ بوڈلین کے نسخے سے سو سال بعد کا ہے مدرستہ العلوم کی لائبریری میں اس وقت دستیاب ہیں۔ پہلا کچھ زیادہ پرانا نہیں ہے اور صحت وغیرہ کی حالت بہت ناقابل اطمینان ہے۔ تقطیع ۱۲+۸۔ ایچ سے کچھ زیادہ ہے اور تقریباً ساٹھ چھ سو صفحے ہیں۔

دوسرا نسخہ ایک بے نظیر نسخہ ہے جس کی صحت لائق اعتماد ہے۔ اس کی تقطیع پہلے نسخے سے چھوٹی اور خط گنجان اور باریک ہے، جیسا کہ اہموم پانچویں صدی میں مالک مشرق میں رائج تھا۔ کل اوراق کی تعداد ۲۹۶ ہے۔ اور اوراق ۹۱-۹۸-۱۰۱ اور ۱۲۱-۱۳۱ کسی قدر بعد کے لکھے ہوئے ہیں۔

نسخہ ہذا کے خاتمے پر عبارت ذیل مرقوم ہے۔
 ”تمت المقالة الحادیۃ عشر من قانون السعودی وتم بتماہا الکتاب الحمد للہ
 رب العالمین والصلوۃ علی محمد وآلہ اجمعین وفرغ من تسویدہ ابو الفتح
 نضر بن محمد بن ہبۃ اللہ فی سلخ ربیع الآخر سنۃ اثنی و عشتین وخمس مائتہ
 ولما وافق بروز آبان من ماہ اسفندار من شتہ ست وخمیس مائتہ۔ حامد للہ
 سبحانہ تعالیٰ ومصلیا علی نبیہ محمد وآلہ“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ہذا کو ابو الفتح نضر بن ہبۃ اللہ نے ربیع الآخر سنۃ ۶۲۲ ہجری میں تحریر کیا تھا۔ اس طرح پر یہ نسخہ بیرونی کی وفات سے سو اسو بعد کا لکھا ہوا ہے۔ علاوہ برین کتاب ہذا کے صفحہ اولین کی طرف سادہ پر خط خط نسخہ میں مطاظر غفرلہ کے نیچے مرقومہ ذیل عبارت تحریر ہے۔

رد من عواری الزمان دخل فی نوبۃ العبد الجانی انقر خلق اللہ تعالیٰ
 وادجوہم الیہ اوحد بن اسعد بن بہرام المستوفی للہیقی ختم اللہ لہ بالخیر

۵۲۔ نسخہ دراصل مالکۃ کی پیرل لائبریری کی ملکیت ہے لیکن فی الحال مدرسہ العلوم کی لائبریری میں موجود ہے اور

جس وقت تک ضرورت سمجھی جائے گی یہیں رہے گا۔ ۱۲

۵۳۔ یہ نہایت عمدہ طغری ہے اور اس میں دو کتاب السعودی، لکھا ہوا ہے۔ ۱۲

و کحشی و سیر آمالہ فی الاولی والاخری بحق اصوب ملہیم استخراج من کنان
کنانہ و ابھی تاج توج بہامہ تہامہ فی شہر شعبان المعظم من شہور سنہ
ثمان عشر و ثمان مائتہ من الهجرة النبویہ المصطفویہ و الحمد للہ اول آخرہ
یہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ ششہ ہجری میں یہ نسخہ ایک صاحب اوصاف
اسعد بہرام البہیقی کے پاس پہنچا۔ دہرین بھی اسی جانب لگی ہوئی ہیں جس میں
و ذاصل خان بندہ شاہ بہمان لکھا ہے اس کے علاوہ دو چھوٹی ہجرون کے
نشان اور مختلف خطون میں کچھ عبارتوں کے علامات بھی ہیں جو اس بڑی طرح
مٹ گئی ہیں کہ پڑھی نہیں جاسکتیں۔ قانون سعودی مدلیت میں بے نظیر تالیف ہے
اہل عرب نے اس فن میں جو حیرت انگیز ترقی کی تھی اُس کا غالباً بہترین ثبوت قانون
سعودی کو سمجھنا چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں بعض ایسے مسائل پائے گئے ہیں جن کا
انکشاف سترھویں صدی میں اہل یورپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔
ڈاکٹر جوزف ہارو وڈلٹس صاحب، جو عربی کے مشہور جرمن اسکالرز اور چند
پیشتر مدرسہ العلوم علی گڑھ کے پروفیسر تھے قانون سعودی کی اشاعت کا اہتمام
کر رہے تھے۔ افسوس ہے کہ پروفیسر موصوف کے کالج سے علیحدہ ہو جانے
کے بعد سے یہ سارا منصوبہ ہی درہم برہم ہو گیا۔ اب دیکھیے کب تک اہل علم کو
اس کتاب کی اشاعت کا انتظار کرنا پڑے۔



جب ہم بیرونی کی تالیفات کے تذکرے میں مصروف تھے، تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہماری متخیلہ نے ہمیں کسی پُرانے بیت الحکمت کے کتب خانے میں لاکھڑا کیا ہے، جہاں ہر کتاب کا نام ہمیں چونکا دینے والا ثابت ہوتا ہے اور بیباختہ دل چاہتا ہے کہ ان لفیہ کتبائون میں سے ایک ایک کو نکال کر گرد و غبار سے پاک و صاف کیا جائے اور دروز روشن میں ایک ایک ورق لوٹ کر دیکھا جائے کہ لکھنے والے نے ان میں کیا لکھا ہے، لیکن دستِ تمنا دراز ہو کر جس کتاب پر پڑتا ہے وہ خاک ہو کر ہاتھ میں رہ جاتی ہے اور آرزو مند دل کو کھٹ افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔

اسد کے گروہ زمانہ! بیرونی کی ساری عمر کی جمع کی ہوئی دولت کا دسواں حصہ بھی باقی نہ رہ سکا۔ کیا اس کی ہفتاد سالہ جدوجہد کا یہی انجام ہونا چاہیے تھا کہ حرف غلط کی طرح دنیا سے اُس کا نام مٹانے کی کوشش کی جاتی۔ کیا وہ رات دن اپنی دھن میں مٹ جانے والا ایک آن کے لیے بھی یہ سوچتا تھا کہ ابناے دہر کی ناقدر شناسی سے اُس کے ثبت کیے ہوئے نقوش پر اسطرح پانی پھر جائے گا۔ شہر زوری نے لکھا ہے کہ بیچر نوروز اور مہرجان کے دو دن کے سال بھر میں کسی وقت بیرونی کا ہاتھ قلم سے، اُس کی آنکھیں دیکھنے سے اور اُس کا دماغ غور و فکر سے جدا نہ ہوتا تھا، آخر یہ انہماک کس لیے تھا؟ اے بیڑنی رنگ دہر سے تو ناواقف نہ تھا۔ آئنا حقیقہ کی جستجو کے وقت تو نے سب سے

پہلا سبق یہی لیا ہوگا کہ ترے قائم کیے ہوئے آثار دست بردمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں گے اور ایک زمانہ آئے گا جب قدامت پرستوں کا گردہ چرے باقی ماندہ آثار کو سینٹے کے لیے سارے زمانے کی خاک چھانتا پھرے گا۔

اگر تلامذہ آئنا و عتیقہ کی کوششیں کبھی شکر گزاری کی مستحق ہو سکتی ہیں، تو بلاشبہ جرمن مستشرق ایڈورڈ زاخو کا ہمین احسانندہ ہونا چاہیے کہ اُس نے مدتوں کی تلاش اور برسوں کی دماغ سوزی کے بعد بیرونی کی دو معرکہ الآراء تصانیف آئنا و الباقیہ اور کتاب الہند کو اس اہتمام کے ساتھ شائع کر دیا ہے اور اُن کے انگریزی اور جرمن ترجمے بھی طبع کر لئے ہیں، تاکہ وہ لوگ جو اصل تصانیف کو نہیں پڑھ سکتے ترجموں ہی کے ذریعہ سے بیرونی سے تعارف حاصل کر لیں۔ چونکہ یہ دونوں کتابیں ہر شخص کو دستیاب ہو سکتی ہیں اور ہم بھی اُن کے متعلق پوری معلومات رکھتے ہیں، غالباً یہ نامناسب نہ ہوگا کہ یہاں ان کتابوں پر مفصل تبصرہ و تقریظ لکھی جائے تاکہ ناظرین اپنے مطالعہ سے پہلے ان کی قدر و قیمت کا اندازہ کر سکیں۔

کتاب آئنا و الباقیہ، بیرونی کے قیام حرجان کی یادگار ہے۔ اس پیش بہا کتاب کا پورا نام، *آئنا و الباقیہ عن القرون الخالیہ* ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے اس میں ازمنہ گذشتہ کے علمی آثار سے بحث کی گئی ہے۔ دیباچے میں کتاب کے مضامین اور طریق تحقیق کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ یہ مقام کئی لحاظ سے اہمیت خاص رکھتا ہے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُسے بحسنہ بیرونی کے الفاظ میں نقل کر دیا جائے۔

الابعد دابین سے ایک صاحب نے مختلف قوموں کی تاریخ (سنین) کی کیفیت

اُن کے اصول میں اختلاف کی وجہ، مجھ سے دریافت کی، یعنی تاریخین کہاں سے شروع ہوئی ہیں، اور اُن کے جیسے، یعنی سال اور مہینے جن پر وہ مبنی ہیں، کیا ہیں، علاوہ برہین وہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے یہ اختلاف پیش آیا۔ نیز کون کون سے مشہور تیوہارا اور ایسیلے اور یادگار روز و مخصوص اوقات اور رسوم وغیرہ ہیں، جو مختلف قوموں میں رائج ہیں، صاحب مذکور نے اصرار کیا کہ ان امور کی تشریح ایسی وضاحت کے ساتھ کر دو کہ یہ باتیں پڑھنے والے کی بخوبی ذہن نشین ہو جائیں اور اُسے متفرق کتابوں اور گزشتہ مصنفین کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ ایک نہایت دشوار اور مشکل الحصول کام ہے، بالخصوص اُس شخص کے لیے جو ان باتوں کو اس پیرایہ میں لکھنا چاہیے کہ پڑھنے والے کے دل میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔ لیکن مولانا امیر سید الاجل منصور ولی نعمت شمس المعالیٰ ادا م اللہ قدرتی کی علود دولت کے طفیل میں مجھے محنت اور کوشش کرنے کی توفیق ہوئی اور میں نے اس پورے بحث کو اپنی اُن معلومات کی مدد سے جو سماع، عیان یا قیاس سے حاصل ہوئی تھیں تحریر کرنا چاہا۔

ان مسائل کی بہترین تشریح کے لیے گزشتہ قوموں کے اخبار و روایات جاننے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ اُن میں سے اکثر اُن کی باقی ماندہ دینی و دنیوی رسوم پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ قصہ محض عقلی استدلال (استدلال بالمعقولات) یا مشاہدہ محسوسات پر قیاس کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اہل کتب و ملل اور اصحاب الآراء اور ارباب ملل کے جن میں وہ رائج ہیں صحیح خیالات سے مطلع ہونے اور ان معلومات کی بنا پر بجائے خود غور کرنے سے یہ گوہر مقصود حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس باب میں خود ان کے مختلف اقوال اور خیالات کا باہمی مقابلہ ضروری ہے۔

لیکن سب سے پہلے واجب ہے کہ اپنے نفس کو ان عوارض اور اسباب سے خالی

کر لیا جائے جو اکثر لوگوں کو سچائی کے دیکھنے سے اندھا کر دیتی ہیں مثلاً عادت مالوہ، تعصب، جوش فہمندی خود غرضی خیال مقصد برآری وغیرہ وغیرہ۔ جس طریقے کا مین ذکر کر رہا ہوں یہی گوہر مقصود کے پلے اور شوائب شبہ و شکوک کے رفع کرنے کا بہترین طریقہ ہے، اس کے بغیر چاہئے کتنے ہی سخت اعتنا اور کوشش کی جائے ناممکن ہے کہ یہ غرض پوری ہو جائے۔

لیکن اس کو مین مانتا ہوں کہ جو اصول اور طریقے ہم نے مقرر کیے ہیں ان پر عمل پیرا ہونا سہل نہیں ہے بلکہ بعد اور صعوبت کی وجہ سے مشہد ہوتا ہے کہ اس تک پہنچنا ناممکن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تمام اخبار اور روایات مین بکثرت جھوٹی باتیں داخل ہو گئی ہیں اور ظاہر یہ باتیں ناممکنات سے بھی نہیں معلوم ہوتی کہ انھیں آسانی سے پہچان کر نکال دیا جائے۔ بہر حال ہم نے روایات اور اخبار کو ممکن الوقوع تصور کر لیا اور بطور حجاج روایات کے مان لیا ہے، بشرطیکہ دوسرے شواہد سے ان کا بطلان نہ ہوتا ہو۔ اس لیے کہ ہم احوال طبعی مین خود ایسی باتیں دیکھتے ہیں اور ہم سے پہلے بھی لوگوں نے بارہا ایسی باتیں دیکھی ہیں کہ اگر ان سے مثل پچھلے زمانے کی کوئی روایت ہوتی تو ہم کہہ سکتے کہ یہ تو ناممکن ہیں۔ اس کے سوا غیر انسانی ایک ہی قوم کے اخبار جاننے کے لیے کافی نہیں ہو سکتی پس یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ بے شمار قوموں مین تمام قوموں کے پورے اخبار معلوم ہو جائیں۔ یہ قطعاً ناممکن ہے۔

جب معاملات کی کیفیت ٹھہری تو ہم پر واجب ہے کہ زیادہ قریب کی باتوں سے کم قریب کی باتیں اور زیادہ معلوم شدہ باتوں سے کم معلوم شدہ باتیں اخذ کریں اور جہاں تک ہو سکے انہیں صحیح کر دیں روایات کو ان لوگوں تک ہم پہنچائیں، جن کا تعلق ان روایات سے ہے جہاں تک ہو سکے انکی اصلاح اور درستی کی کوشش کریں اور باقی کو اس کے حال پر

چھوڑ دین تاکہ ہمارے اس عمل سے طالب حق اور محب حکمت کو دوسرے مضامین کی تحقیقات اور ان امور کے دریافت کرنے کا موقع ملے، جو ہمیں معلوم نہیں ہو سکے ہم نے خدا کی مدد سے اسی پر عمل کیا ہے۔

تحقیق و تفحص کا جو طریقہ بیرونی نے بتایا ہے اُس پر عمل پیرا ہونے کی اُس نے ہمیشہ شش کی ہے اور اُس کی ہر تصنیف کے مطالعہ سے بخوبی ثابت ہو سکتا ہے کہ کس قدر کامیابی کے ساتھ وہ اُس پر کاربند ہوا ہے۔ ہمارے زمانے میں جو مشاہدہ تحقیق اور تفحص کا زمانہ کہلاتا ہے، لوگوں کا عام طور پر یہ گمان ہے کہ متقدمین کا دار و مدار محض استدلال یا معقولات پر تھا، اور وہ اصول مشاہدہ و تدقیق سے قطعاً ناہل تھے۔ سوٹھویں صدی کے اوائل میں لارڈ بیکن (Lord Bacon) نے جدید فلسفہ تحقیق کا سنگ بنیاد رکھا اور اُس کے زمانے سے بشیروں کو تحقیقات علمی کی طرف متوجہ ہوئے بیشک ہمیں ماننا پڑیگا کہ یورپ میں بیکن سے پہلے لوگوں میں اتنی استعداد نہ تھی کہ وہ اُن اصول کا تصور کر سکتے یا اُن پر کاربند ہو سکتے، لیکن بیکن سے چھ سات سو برس پہلے مسلمان اتنی علمی ترقی کر چکے تھے کہ وہ نہ صرف ان اصول ہی سے پورے طور پر واقف تھے، بلکہ اُن پر چلنے اور عمل کرنے کی بھی کامل صلاحیت اُن میں موجود تھی یہیں کوئی بتائے کہ منطق استقرار جس کے اصول کی تدوین زمانہٴ حال کا عظیم الشان کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ بیرونی کو تحقیق و تفحص کے کون سے نئے طریقے بتا سکتی تھی جن سے وہ ناہل تھا۔ اس سے ہمارا یہ نشانہ نہیں ہے کہ ہم زمانہٴ حال کی بیش از قدر علمی کوششوں پر پانی پھیرنا چاہتے ہیں بلکہ مقصود صرف اتنا بتا دینا ہے کہ ہمارے

زمانے کے لوگ، بالخصوص یورپ کے محقق اور ان کے مقلد، اپنے یہاں کے علمی کارگرداریوں کو تو فلک الافلاک تک پہنچا دیتے ہیں، اور دوسروں کی کوششوں کا ذکر کرنے میں اکثر سرد مہری اور بے اعتنائی سے کام لیتے ہیں۔ یہی عواض ہیں جن سے بچنے کی بیرونی نصیحت کرتا ہے اور اس نصیحت پر عمل کرنے کی آج بھی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی نو سو سال پہلے تھی۔

آثار الباقیہ کے مضامین کی وسعت معلوم کرنے کے لیے ہم ذیل میں اُس کے مباحث کا خلاصہ درج کرتے ہیں اور اُس کے چل کر چند دلچسپ اقتباسات بھی دیں گے جن سے بیرونی کے انداز تحقیق کا حال معلوم ہو سکے گا۔

ویجاہ، سبب تالیف اور کتاب کا طریق تحقیق

پہلا - دن اور رات کی ماہیت، ان کی مجموعی حیثیت اور آغاز و ابتداء کے یوم کا ذکر دن رات (الیوم بلیغ) کی تعریف، مختلف قوموں میں ابتداء کے روز و غروب آفتاب طلوع آفتاب، دوپہر یا آدمی رات سے ہوتا ہے۔ کن کن قوموں میں کس وقت سے دن کا شروع سمجھا جاتا ہے۔ رات اور دن اور یوم الصوم (روزے) کے دن کا طول و عرض

پہلا - سالوں اور مہینوں کا ذکر، پورے سال کی درازی، شمسی سال کا ذکر قمری سال کا ذکر۔

پہلا - تواضع (منین) کی ماہیت اور اس بارے میں قوموں کے اختلافات۔ تاریخ (سنہ) کی تعریف، آغاز کے اسباب، وہ سنہ جو انسان کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے

انسان کی پیدائش کے متعلق اہل فارس، یہود، اور عیسائیوں کے خیالات۔
یہود اور عیسائیوں کی روایات کی علمی تنقید۔ تورات اور اناجیل کے مختلف نسخوں
اور ان میں اختلافات کا ذکر۔ طوفان نوح کی تاریخ کے متعلق بحث جس میں طوفان
کی تاریخ بروایات یہود، عیسائی، اور مجہین بیان کر کے سب کو قطعاً ناقابل اعتبار
قرار دیا ہے اور دکھایا ہے کہ ان روایات کی بنا پر نہ طوفان کی حقیقت پر کچھ روشنی
پڑ سکتی ہے اور نہ اُس کی تاریخ پر۔

تواریخ بختنصر، فیلفس، اسکندر، قیصر اغسطس، انطونیس، و قلیپاؤس
ہجرت یزدجرد معتضد، اور تواریخ قدامے عرب و قدامے خوارزم کا تذکرہ۔

دہ ذی القربین کے متعلق مختلف اقوال و روایات۔
دہ تواریخ مذکورہ میں کیا کیا ہیں استعمال ہوئے ہیں اور ان میں ہینون اور ان کے
دونوں کے کیا نام ہیں۔ فارسیوں، سغدیوں، خوارزمیوں، قدیم مصریوں، مغربیوں
اور یونانیوں کے ہینون کا ذکر۔ عبرانی تقویم اور ہینون کے بارے میں طولانی اور
دقیق بحث، ہلال کے طلوع کے متعلق یہود کے خیالات، اہل شام، قدامے عرب
قدماے مصر، اہل شوم کے مہینے اور دنوں کے عربی نام۔ ماہ رمضان کی مقدار اور
المعتضد کے اصلاح شدہ تقویم کے مہینے۔ خلاصہ جدول اشہور۔

دہ ایک تاریخ کو دوسری تاریخ سے کیسے نکالا جائے۔ لوگ اور ان کی مدت
حکومت کے حالات باختلاف آراء۔ جدول اولاد حضرت آدم بہ اختلاف ہنود و قدامے
تبصرہ و تنقید۔ جدول مدبرین، ولات، کاہنین، قضاة قبل و بعد عمارت بیت المقدس
انسان کی مدت عمر کے متعلق منطقی بحث اور عجائب طبیعی کا ذکر آشوری، بابلی، کالی

قبضی، مقدونی، رومی بادشاہوں کی تاریخی جدولیں، ملوک نصرانیہ قسطنطنیہ کی جدولیں، اہل فارس کی تواریخ ملوک۔ پیشدادیوں، کیانیوں اور ساسانیوں کے متعلق متعدد جدولیں حسب اختلاف روایات۔ مختلف تواریخ کا مقابلہ برائے حساب ایام۔ حساب شطرنج، اور ایک تاریخ کا دوسری تاریخ سے برآمد کرنا۔

بک آوار اور تقوالت (یعنی سال کا وہ مقام جہاں سے آغاز سال شمار کیا جاتا ہے) مولیدین، مشہور، اُن کی کیفیتوں اور یہودی اور دیگر سنین کے کبائسل کا ذکر سیاروں، کوکب، اور ہر دج کے نام عربی، رومی، فارسی، سریانی، عبرانی، ہندی اور خوارزمی زبانوں میں۔ کس طرح کسی تاریخ کے آغاز کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ یہ باب آثار کا نہایت دشوار باب ہے۔

بہد عیان نبوت اور اُن کی امت کی تاریخیں۔ بہد، مانی، مزوک بن ہمدان، سیلہ، بھافرید بن ماہ فروزین، ہاشم بن حکیم المعروف بہ ابن الحقیق، حسین بن منصور طاج، ابن ابی زکریا الطامی اور ابن ابی الفراق کے حالات۔

افسوس ہے کہ یہ قیمتی باب موجودہ نسخوں میں نامکمل ہے۔ زردشت کے حالات اس میں نہیں پائے جاتے اور ابن ابی الفراق کے حال میں صرف ایک دو فقرے باقی رہ گئے ہیں۔ اگلے نسخے میں باب کے ابتدائی مضامین نہیں ہیں اور اس طرح پر یہ باب بھی غیر مکمل ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سچ کے اوراق دیا ابواب، کم ہو گئے اور نقل کرنے والوں نے مجبوراً جتنا موجود تھا بتمام و کمال نقل کر لیا۔

۱۷ انگریزی میں (year point) کہتے ہیں

۱۸ انگریزی میں (leap years) کہتے ہیں۔

۹۱ اہل فارس کے عید تیوہارون کا ذکر۔
 ۹۲ اہل سغد کی عیدون وغیرہ کا ذکر۔ منازل قمر کی جدول بلغت سغد و خوارزم
 ۹۳ اہل خوارزم کی عیدون کا ذکر۔
 ۹۴ خوارزم شاہ کی تقویم خوارزم کی اصلاح کا ذکر۔
 ۹۵ تقویم یونانی کے ایام کا تذکرہ، جیسا کہ یونانی اور دوسری قوموں کے بیانات
 سے ظاہر ہوتا ہے۔

۹۶ یہود کے مشہور دنوں اور عیدون کا بیان۔
 ۹۷ سریانی مہینوں کے مشہور عیدون، تیوہارون کا ذکر جو عیسائیوں کے
 فرقہ ملکیتین رائج ہیں۔
 ۹۸ عیسائیوں کے اُن روزوں، عید تیوہارون وغیرہ کا ذکر جن کے متعلق
 عام عیسائی فرقے اتفاق رکھتے ہیں۔
 ۹۹ نصائے نسطوریہ کی عیدون، روزوں اور دوسرے مشہور دنوں کا ذکر
 ۱۰۰ قدیم مجوسیوں کی عیدون اور صائین کے روزوں اور عیدون کا بیان۔
 ۱۰۱ عربوں کی اُن عیدون کا ذکر جو ایام ہجرت میں رائج تھیں۔ فصلوں رسیدنے
 موسموں کی جدول باختلاف آراء۔

۱۰۲ مسلمانوں کی عیدون اور مشہور ایام کا ذکر۔
 ۱۰۳ منازل قمر طلوع وغروب اور چاند کی مختلف صورتوں کا ذکر۔ اسی باب
 میں مختلف موسمی ہواؤں، اُن کی تعداد اور اختلاف سے بحث کی گئی ہے اور
 منازل قمر کے احوال کی جدول دی ہے اور اُن ۴۸ کو اکب کے مقامات کی قدرست

بیان کی ہے جہاں سے ہو کر پانگدزتا ہے۔ اخیر میں تسلیم اور ستاروں کے نقشے بنانے کا حال بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس باب میں اس وقت تک کوئی کتاب موجود نہ تھی۔

غرض یہ فہرست ہے بیرونی کی آثار الباقیہ کے مضامین کی۔ لیکن محض اس فہرست کے اوپر سرسری نظر ڈال لینے سے کتاب کی خوبیوں کا پورا اندازہ ہونا دشوار ہے۔ اس کتاب کو دیکھ کر ایک مبصر کو حیرت ہوتی ہے کہ سوانہ سو سال پہلے کس طرح کوئی مصنف ایسے عالمانہ اور محققانہ طور پر اس باب کی تصنیف کر سکتا تھا کسی مضمون کے متعلق تمام روایات کو جمع کرنا، تنقیدی نظر سے اس کے ہر پہلو کو جانچنا، ہر ایک کی صحت و عدم صحت کی پوری تحقیقات کے بعد صحیح فیصلہ صادر کرنا بیرونی کے آثار کے ایسے عام خصائص ہیں جو اس کی تصنیف کو دیگر تصانیف سے ممتاز کرتے ہیں۔ جابجاریاضی و حساب کی مدد سے معاملات کو پرکھا ہے اور نوشتگانی کے عجیب عجیب طریقوں سے کام لیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ایسی کتاب کی تالیف کی غرض سے بیرونی کو بشمار کتابین دیکھتی پڑی ہوں گی، لیکن جو باتیں بیرونی نے آثار میں جمع کی ہیں ان کے تفصیل کے لیے محض کتابوں سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ جابجا ہم دیکھتے ہیں کہ آثار کے مصنف نے اپنی ذاتی مملوبات سے بہت سے نئے امور جمع کیے ہیں ان کے طور پر اہل فارس اہل خوارزم اور اہل سند کو بیچے جن کے قومی اور مذہبی قوانین مراسم اور عقائد کے متعلق آثار میں پیش ہوا مملوبات جمع کی گئی ہیں۔ بیرونی کے زمانے میں

عجمیوں کے متعلق اسلامی علم ادب میں کافی تالیفات موجود تھیں، لیکن کتاب کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر مسالانہودی بیرونی کا جمع کیا ہوا ہے۔ ایران و خوارزم میں اُس وقت تک مجوسی کافی تعداد میں موجود تھے۔ یہ لوگ اکثر دیہات میں رہتے تھے اور وہ مقامان کہلاتے تھے۔ ان لوگوں کا ملکی اقتدار تو دونوں سے جا چکا تھا لیکن اب اُن میں علمیت بھی مفقود تھی۔ مذہب اور رسم و رواج کی محض کورائے تقلید کرتے تھے اور اُن سے کسی معاملے کی حقیقت جاننے کی امید کرنا فضول تھا۔ بیرونی کی محققانہ کوششوں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اُس کی بدولت ہمیں آج سے ہزار سال پہلے کے ایک ایسے فرقے کے مستند حالات معلوم ہو سکتے ہیں جن کا نام و نشان بہت جلد اُن ملکوں سے ہمیشہ کے لیے مٹنے والا تھا۔ بیرونی نے آتش پستون کی نہایت عمدہ تقویم، عید نوروز اور تیوہار ورن کی فہرست اور کیفیت انکار میں تحریر کی ہے جو فی زمانہ نہایت قابل قدر چیز ہے۔

کچھ مجوسیوں ہی پر موقوف نہیں ہے، یہودی تقویم کے متعلق بھی ایسی ہی مکمل معلومات کا ذخیرہ آثار میں موجود ہے۔ مسطور ہی و غیر عیسائی فرقوں کے متعلق بھی جو کچھ لکھا ہے، قابل قدر ہے، خوارزمی، یونانی اور اسلامی تقویموں پر محققانہ ابواب لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں شاہان قدیم کی فہرستیں بڑی جانفشانی سے جمع کی ہیں۔ غرض جس پہلو سے دیکھے ایک بے نظیر و ماغ کی کاوشوں کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

اگرچہ ان تو خاص دلچسپی کے مقامات بھی، آثار میں سے کثیر تعداد میں جمع ہو سکتے ہیں لیکن نظر اختصار یہاں پر صرف چند غور طلب اقتباسات درج کیے جاتے ہیں

جن سے بیرونی کی ذہنی حالت پر گہری روشنی پڑتی ہے۔

فی زمانہ ثقافت انسان کا مسئلہ دنیا کے علم کا ایک مسلم مسئلہ ہے، اور حکماء عہد نسل انسان کے آغاز کو آب سے لاکھوں برس پہلے ثابت کرتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے زمانے میں اس قسم کے خیالات کی ابتدا ہوئی سو برس بھی نہیں گزری۔ چند سال پیش تک علماء مغرب بالعموم پیدائش انسان کو مسیح کی ولادت سے صرف چار ہزار چار سال پہلے تصور کرتے تھے اور اس وقت بھی بشمار لوگ ایسے موجود ہوں گے جو کتب مقدسہ (یعنی اناجیل و تورات) کی بنا پر اس تاریخ کو ناقابل تردید تصور کرتے ہوں گے۔ آج سے ہزار سال پہلے مسلمانوں میں بھی (ہمارے زمانے کے مسلمانوں کی طرح) یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے عقائد اور تاریخی روایتیں نہایت کثیر تعداد میں مسلم تھیں اور منجملہ دیگر امور کے نسل انسان کے آغاز کو صرف چند ہزار برس پہلے مانا جاتا تھا۔ لیکن بیرونی نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ موجودہ زمانہ تحقیق میں خاص دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

”امور قدیمی میں سب سے زیادہ مشہور بات انسان کا عالم وجود میں آنا ہے، لیکن اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ اور مجوس وغیرہ میں اس کی کیفیت اور ابتدا کے متعلق ایسا اختلاف ہے کہ تاریخ میں اس قسم کے اختلاف کو بھی روا نہیں رکھ سکتے، ابتدائے خلق اور قرون سابقہ کے علم کے متعلق جتنی باتیں ہیں وہ بعد وقت اور امتداد زمانہ کے باعث غلط امور سے بھری ہوئی ہیں اور محتاط سے محتاط شخص بھی اُس عہد کے امور کے حفظ اور ضبط سے عاجز ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **الْمَرِیَآتُھُمْ بِالنَّذِیْنِ مِنْ قَبْلُھُمْ لَا یَعْلَمُھُمْ اِلَّا اللّٰہُ** یعنی کیا ان لوگوں کے پاس ان لوگوں کی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں کہ انہیں ان نہیں ہیں۔ سولے خدا کے انھیں کوئی نہیں جانتا۔ اِنْدَا

اویسے ہی ہے کہ ایسے امور میں کسی قول کو قبول نہ کیا جائے تا وقتیکہ اُس کی صحت کتاب معتد یا خبر صحیح سے جس کی تصدیق شرائط فقہ اور ظن اغلب سے ہوتی ہو، نہ ہو جائے ۱۷ (آثار صفحہ ۱۳۱-۱۳۲) آگے چل کر یہود کی تاریخی روایات کی ناقابل اعتماد حالت نہایت شرح و بسط کے ساتھ دکھا کر بیرونی لکھتا ہے۔

دوسرے کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایسا اختلاط ایک ایسی قوم کی روایات میں پایا جاتا ہے جو کئی مرتبہ قید اور جنگ کی مصیبتیں اٹھا چکی ہے۔ اقرب و ادنیٰ قیاس یہی ہے کہ بنی اسرائیل دوسرے معاملات میں بھینس گئے اور اپنی تاریخی روایات کو برقرار رکھ سکے خصوصاً ایسی مصیبت کی حالت میں، جب ہر ایک عورت جو اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی اپنے بچے کو بھول گئی اور حاملہ عورتوں کے حمل کر گئے (سورہ ۲۲- آیت ۲) اس کے علاوہ حکومت اور ریاست ایک قبیلے میں نہیں رہی تیسرے حکومت اور ریاست ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے کو ایسی ترتیب کے ساتھ نہیں پہنچی کہ اُن کے حکمرانوں کی تاریخیں وغیرہ صحیح طور پر محفوظ رکھ سکیں (الحزبانہ صفحہ ۱۷) جو لوگ عمدہ عتیق کے متعلق موجودہ تنقید تاریخی سے آگاہ ہیں وہ بلاشبہ بیرونی کی طرف نگاہی کی داد دیں گے۔

چوتھے باب میں بیرونی نے ذی القرنین کے متعلق مختلف روایات بیان کی ہیں۔ اُس کے بعد لکھتا ہے۔

دوسرے خطاط نے جس وقت لوگوں کو ذوالقرنین کی بابت بحث کرتے دیکھا تو کہا: کیا تمھارے لیے یہ کافی نہ تھا کہ انسانوں کے حالات میں غور کرتے کہ تم دوسری بحث میں پڑ گئے اور انسانوں سے گزر کر فرشتوں کے حدود میں جا داخل ہوئے ۱۸ (آثار صفحہ ۲۰-۲۱)

عجیب و غریب اور فوق العقل روایات کو اس طرح مسترد کرنے کے بعد بیرونی نے بعض

لوگوں کی اس رسل کی تائید کی ہے کہ ذوالقرنین مین کے قدیم بادشاہوں مین سے ایک بادشاہ کا نام ہے اور ثبوت مین یہ دلیلین پیش کی ہیں کہ مین کے قدیم بادشاہوں کے اکثر نام لفظ ذوالقرنین سے شروع ہوتے ہیں مثلاً ذوالمنار، ذوالاذا، وغیرہ اور نیز مین کی بعض روایات ذوالقرنین کی حکایات سے ملتی جلتی ہیں۔ آگے چل کر سد سکندری کے متعلق جو روایات مشہور ہیں ان کی عدم صحت کو ظاہر کیا ہے۔ الغرض یہ باب غور سے مطالعہ کرنے کے قابل ہے۔

اسی طرح اور بہت موقعوں پر فوق الفطرۃ اور ناممکن الوقوع امور کی تحقیق تردید کی ہے۔ مثلاً ذیل مین کس ظرافت اور لطیف کے ساتھ اس قسم کے بیانات کا خاکہ اڑایا ہے۔

دکعب الاخبار نے بیان کیا ہے کہ تاریخ ۱۷۱۷ کا فون یوشع بن نون کے لیے ایک روز جب کہ آسمان پر بادل گھرا ہوا تھا، سورج پورے تین گھنٹے حرکت سے نہ نکلا۔ اسی طرح شیعون مین جہلا امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بارے مین ایک روایت بیان کرتے ہیں۔ اب اگر سوال کیا جائے کہ یہ حکایات صحیح ہیں یا غلط تو ہم یہ کہیں گے کہ جن پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے انہیں گھڑ بان بہت لمبی معلوم ہوتی ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ رہائی کا وقت نہایت آہستہ آہستہ آتا ہے۔ مثلاً علی بن الجہم نے جب غزوۃ الرہم مین گیا تھا ایک سال تک جس وقت زخمون اور کمان سے چور چور تھا کہا تھا۔

اَسْأَلُ بِالصَّبْرِ سَيِّلُ اَمْ زَيْدٌ فِي اللَّيْلِ لَيْلُ

یعنی کیا کوئی سیلاب صبح کو بہا لے گیا یا کوئی دوسری اس رات مین ملا دی آئی

بعد مین جس وقت رہا ہوا تو اس واقعہ کے متعلق برابر اس کے داغ مین ادھام باطلہ موجود رہے،

ایسا ہی واقعہ گاہے گاہے رمضان میں پیش آجاتا ہے جب دن کے اخیر حصے میں
 بادل اور اندھیرا ہوتا ہے۔ لوگ وزہ کھول ڈالتے ہیں اور تھوڑی دیر بعد جب مطلع تھوڑا بہت کھلتا
 ہے تو سورج آسمان پر چمکتا ہوا نظر آتا ہے، (آثار صفحہ ۲۴۸-۲۴۹)

بیرونی دنیا کے اُن حکماء میں سے ہے جو قوانین قدرت کے استحکام اور یزگی
 پر مضبوط اعتقاد رکھتے ہیں۔ غیر واقعی اور ناممکن الوقوع امور اُس کی نظر میں کبھی
 قابل قبول ثابت نہیں ہوتے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتا ہے۔

”وہ کافون“ (دسمبر) لوگ کہتے ہیں کہ تاریخ کو ایک وقت ہوتا ہے جب کھاری پانی
 تمام صفحہ زمین پر میٹھا ہو جاتا ہے۔ پانی کی تمام خاصیتیں اُس زمین پر منحصر ہوتی ہیں جہاں سے
 اُس کا گذر ہوتا ہے یا جہاں وہ ٹھہرتا یا بہتا ہے۔ یہ خاصیتیں غیر تغیر ہیں اور اُس وقت تک نہیں
 بدلتیں جب تک کوئی اور باعث حائل نہ ہو جائے۔ لہذا یہ قول کہ اس وقت یہ پانی میٹھا ہو جاتا ہے
 بالکل بے بنیاد ہے۔ متوازن تجربہ و مشاہدہ سے اس کلام کی بے بنیادی کا پردہ فاش ہو جائے گا اس لیے
 کہ اگر پانی میٹھا ہے تو کچھ مدت تک میٹھا ہے گا۔ ہاں اگر تم اس وقت یا کبھی کھاری پانی کے کنوئین میں
 چند سیرموم ڈالو تو ممکن ہے کہ اُس کا کھا کچھ کم ہو جائے گا۔ اصحاب التجارب (اہل تجربہ) نے
 بیان کیا ہے کہ اگر تم ایک ہلکی سی شمع موم کی بنا کر سمندر کے پانی میں اس طرح رکھ دو کہ اُس کا سطح
 آب سے اوپر ہو تو برتن میں جو پانی ہو گا وہ میٹھا ہو جائے گا۔ اگر تمام کھاری پانی میں اتنا میٹھا
 پانی مل جائے کہ کھا جاتا رہے تب ایسا وقوعہ میں آسکتا ہے۔ اس کی مثال تینس نامی جھیل
 سے ظاہر ہوتی ہے اُس کا پانی خریف اور موسم سرما میں میٹھا ہوتا ہے لیکن اور موسموں میں
 کھاری ہو جاتا ہے اس لیے کہ دیا سے نیل کا پانی اُس میں بہت کم داخل ہو سکتا ہے۔“
 (آثار صفحہ ۲۵۰)

لیکن جہاں قوانین قدرت کی مضبوطی کا پورے طور پر معتقد ہے وہاں اُس کی رنگارنگ کیفیتوں اور پیچیدہ ولائیکل حالتوں کا خیال بھی اس کے دماغ میں موجود رہتا ہے۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ موجودات میں اکثر اوقات ایسی طبعی کیفیتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں جو بادی النظر میں ممکنات سے خارج معلوم ہوتی ہیں اور جن کے اسباب و علل کے معلوم کرنے سے اکثر انسانی عقل عاجز رہ جاتی ہے۔ بنا بریں عجائب طبعی کے حقائق پر غور کرنا، اور اسباب و علل کا نکالنا ایک ایسا کام ہے جس کی انجام دہی کے لیے بڑی زور و نگاہی، اور ہوشگافی درکار ہے۔ عجائب طبعی پر بیرونی جس تعمق کے ساتھ نگاہ ڈالتا اور اُن کے قدرتی اسباب و علل کو نکالنے کی کوشش کرتا ہے اُسے دیکھ کر ہمیں بے حد حیرت ہوتی ہے اور شبہ کی یقین آتا ہے کہ اس کامیابی کے ساتھ متقدمین حکماء اسلام مسائل طبعی کے حل کرنے کی استعداد رکھتے تھے۔ ایک جگہ بیرونی نے دریاؤں اور پانی کے چشموں وغیرہ سے بحث کی ہے، جہاں قدرتی اسباب اور طبعی وجوہ کا کھوج لگایا ہے۔ یہ ایک نہایت دلچسپ بحث ہے اور میرے خیال میں غیر معمولی تاریخی اہمیت کی مستحق ہے۔ جو لوگ مسائل طبیعیات میں دلچسپی لیتے ہیں وہ خاص کر اس طویل بحث کو غور و شوق کے ساتھ مطالعہ کریں گے۔

دو ۲۸- نیسان - مصر میں تیز وزاؤ و کس میں بارش، سان نے اپنے تجارب کی بنا پر اس تاریخ میں مینہ برسنے کا ذکر کیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس روز جنوبی ہوا چلتی ہے اور دریا در چشمے چڑھنے شروع ہوتے ہیں۔ دریاؤں کا اس زمانے میں چڑھنا تمام دریاؤں کے حق میں درست نہیں ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے دریاؤں کی کیفیت میں بڑا اختلاف ہے مثلاً

جیون اُس وقت چڑھتا ہے، جب فرات و دجلہ میں بہت کم پانی ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اُن دریاؤں میں جن کے مخرج سرد ملکوں میں واقع ہیں گرمی میں جاٹے سے زیادہ پانی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر دریاؤں کا اصلی پانی چشمون سے آتا ہے اور چشمون کے پانی کی کمی زیادتی منحصر ہے اُس نئی پوچھ پاڑوں پر جہاں سے دریا نکلتے یا ہو کر گزرتے ہیں گرتی ہے۔ چشمون میں جب پانی زیادہ ہوتا ہے تو دریا میں بھی سیلاب آتا ہے۔

یہ ہر شخص جانتا ہے کہ موسم سرا اور اہل ربیع میں نسبت کسی دوسری موسم کے بخارا زیادہ گرتے ہیں۔ شمالی ملکوں میں جہاں سردی کی شدت ہے، برف خوب جم جاتا ہے لیکن جب ہوا گرم ہونے لگتی ہے اور برف پگھلتا ہے تو جیون بھی چڑھتا ہے۔ یہ فرات و دجلہ اُن کے خارج زیادہ شمال میں نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے موسم سرا اور ربیع میں اُن میں سیلاب آتا ہے اس لیے کہ جو بخارات نازل ہوتے ہیں وہ فوراً دریا میں آجاتے ہیں اور ربیع کے شروع میں پانی کا وہ حصہ جو منجمد ہوتا اس طرح پر دریا میں بہ آتا ہے۔

دریاے نیل کو لیمے۔ جب فرات و دجلہ نہایت پایاب ہوتے ہیں تو اُس میں طغیانی ہوتی ہے اس لیے کہ اس دریا کا مخرج جبل القمیرین بیان کیا جاتا ہے جو ملک شش میں شہر اُسوان کے پرے جنوب میں واقع ہے۔ یہ مخرج یا تو بالکل خط استوا پر واقع ہے یا اُس سے کچھ جنوب کی طرف ہٹا ہوا ہے۔ یہ امر منور مشتبہ ہے اس لیے کہ خط استوا کے حوالی ہمیشہ کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے غیر مسکون ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہاں پر پانی کا منجمد مواد شواہد ہے لہذا اگر دریاے نیل کی طغیانی کا باعث بخارات کا گزرا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ پانی جہاں گزرا ہے وہاں نہیں ٹھہرتا بلکہ سیدھا نیل میں آجاتا ہے۔ لیکن اگر طغیانی کا باعث چشمے ہیں تو ان چشموں میں ربیع میں پانی زیادہ ہو جاتا ہے، لہذا نیل موسم گرما میں چڑھتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ

جس وقت سورج ہم سے نہایت قریب اور ہمارے سر کے اوپر ہوتا ہے (یعنی موسم گرما میں، تو وہ اُن مواضع سے جہاں سے نیل نکلتا ہے بہت دور ہوتا ہے۔ لہذا وہاں اُس وقت سردی ہوتی ہے (اور اس وجہ سے نمی جمع ہوتی ہے)۔

اب سوال یہ ہے کہ موسم سرما میں پانی اس قدر کثرت سے کیوں پیدا ہوتا ہے حقیقت الامر یہ ہے کہ حکیم عزوجل نے پہاڑوں کے پیدا کرنے میں بہت سے منافع رکھے ہیں بعض کایان ثابت بن مرہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے، جہاں پہاڑوں کے پیدا کرنے میں خدا کی حکمت کا ذکر کیا ہے۔ اُس میں بھی ایسی ہی غرض ہے جیسی خدا نے سمندر کے پانی کو کھاری بنانے میں رکھی ہے۔

ظاہر ہے کہ پہاڑوں میں گرمی سے زیادہ سردی میں نمی گرتی ہے اور بقابلہ سیدانوں کے زیادہ گرتی ہے۔ جب نمی گرتی ہے تو اُس کا کچھ حصہ دریاؤں میں بہ آتا ہے، کچھ حصہ نالوں اور پہاڑی گٹھڑوں میں گر کر جمع ہو جاتا ہے۔ بعد میں برسات اور عیون (چشمون) میں ہو کر بہتا ہے۔ چونکہ موسم سرما میں وہ چیز جن سے چشمون کا حجم بڑھتا ہے (یعنی نمی) زیادہ پیدا ہوتی ہے لہذا اس موسم میں پانی کی بھی کثرت ہوتی ہے۔ اب اگر چوٹ (پہاڑوں کی چٹانوں کے شکاف جن میں پانی موجود ہے، پاک صاف ہے تو اس میں سے پانی بھی صاف شفاف اور شیرین برآمد ہوگا۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پانی کی مختلف حالتیں اور خاصیتیں ہو جائیں گی جن کے علل ہم سے مخفی ہیں۔

اب رہا چشمون کا اُلٹنا اور پانی کا چڑھنا سو اُس کی شرح یہ ہے کہ اُن کا ترانہ دیر زوالی اُن سے زیادہ بلندی پر واقع ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی سمجھنی چاہیے جیسی فوارے کی اس لیے کہ پانی کے اوپر چڑھنے کا بس یہی ایک سبب ہے۔

اکثر لوگوں نے، جو علم طبیعیات سے ناواقف ہیں اور اپنی جہالت کے لیے یہ بہانہ ڈھونڈ لیا کرتے ہیں کہ خدا کی حکمت ہی ایسی ہے، اس بائیسے میں مجھ سے بحث کی۔ اپنے خیالات کی تائید میں وہ کہتے تھے کہ ہم نے نہرون اور زالون میں پانی چڑھتے دیکھا ہے۔ یعنی جتنا پانی اپنے مخرج سے بہتا جاتا ہے اتنا ہی وہ اپنے موج سے، اونچا ہوتا جاتا ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ ان لوگوں نے پہاڑی ندیوں میں پانی بہتے دیکھا ہے، جن کی تہنی میلن پچاس سے لیکر سو گز تک نیچے کی طرف کوڑھلوان ہوتی ہے۔ اگر کوئی کسان کہیں پراس ندی سے نالاکاٹ کر نکالے اور اُس کا ڈھال اوپر کی طرف کوڑھ تو پہلے پانی بہت تھوڑا آتا ہے، لیکن بالآخر دریا کے پانی کی سطح سے کہیں اونچا چڑھ جاتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان امور میں بصیرت رکھتا ہو تو وہ خیال کرنے لگا کہ دریا کا بہاؤ خط مستقیم میں یا اوپر کی طرف کوڑھلوان ہے۔ ایسے شخص کو فوہ اقصین ہو گا کہ دریا اوپر کی طرف چڑھ رہا ہے۔ اس شک کے دور کرنے کے لیے لابی ہے کہ انھیں اُن آلات کی حقیقت سے مطلع کروایا جائے جن سے زمین تو لی اور جانچی جاتی ہے اس لیے جس وقت وہ اُس زمین کا وزن کو دیکھیں گے جس میں ہو کر پانی گزرتا ہے تو انھیں اپنے خیالات کے خلاف یقین کرنا ہو گا۔ اس قسم کے خیالات سے لوگ دست بردار نہیں ہو سکتے، تا وقتیکہ وہ علوم طبیعیہ کا مطالعہ نہ کریں اور یہ جانیں کہ پانی مرکز اور مرکز کے قریب کے موقع کی طرف حرکت کرتا ہے۔

اس بات میں قطعاً شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ پانی کو جہاں چاہیں بلند ہی پر لیجا سکتے ہیں، حتیٰ کہ پہاڑ کی چوٹی تک، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ مقام (جہاں پانی پہنچانا مقصود ہے) اُس کے اصلی خزانے سے نیچا ہو (اس لیے کہ پانی اُس کی سطح تک پہنچ کر رہ جائے گا، اور کوئی چیز پانی کے اوپر چڑھنے میں حائل نہ ہو۔ پانی اپنے فعل طبیعی میں کسی قوی چیز کا محتاج ہے جو بطور آلے کے کام ہے۔ یہ چیز ہوا ہے۔ یہ عمل نہرون میں جن کی بیچ میں ایسے پہاڑ تو بہت ہیں

جو دو زمین ہو سکتے اکثر کام میں لایا گیا ہے۔

اس مسئلے کی مثال اُس آئے سے ظاہر ہوگی جس کا نام سارقمہ الماد پانی چور ہے۔ اس آئے میں پانی بھردو اور اُس کے دونوں سروں کو دو برتنوں میں رکھ دو جن کے پانی کی سطح برابر ہو۔ سارقمہ الماد کا پانی دیر تک ٹھہرا رہے گا اور کسی برتن میں نہ گرے گا اس لیے کہ ایک تن بقابلہ دو سرے کے پانی سے زیادہ قریب نہیں ہے اور یہ نامکن ہے کہ دونوں برتنوں میں گر پڑے اس لیے کہ آئہ مذکور خالی ہو جائے گا۔ خلا جیسا کہ بعض حکما کا خیال ہے یا محال ہے یا جیسا کہ بعض کا خیال ہے موجود ہے جو کہ اجسام کو کھینچتا ہے۔ اب اگر خلا محال ہے تو یہ بھی نامکن ہے اور اگر خلا کوئی شے مسکے ہے تو وہ پانی کو ٹھہرائے رہتی ہے اور نہ زمین نہیں دیتی تا وقتیکہ اُس کی جگہ کسی دوسری چیز سے نہ بھر جائے۔ لیکن اگر تم اس آئے کا ایک سرادو سرے سے نیچا رکھو تو پانی اُسی طرف کو بہتا ہے اس لیے کہ اگر اُس کی جگہ نیچی ہو گئی ہے تو وہ مرکز ارض کے زیادہ قریب ہے اور اس لیے پانی اُس کی طرف بہتا ہے اور اجزاء کے اتصال کی وجہ سے مسلسل بہتا ہے یہ پانی اُس وقت تک اُس بہت میں بہتا ہے جب تک تن کا پانی، جہان سے پانی آتا ہے ختم نہ ہو جائے یا اُس برتن کے پانی کی سطح جہان پانی بہتا ہے اُس برتن کے پانی کی سطح کے برابر ہو جائے جہان سے پانی آتا ہے۔ غرض یہ مسئلہ پہلی حالت پر لوٹ آتا ہے۔

اسی اصول پر پہاڑوں میں حل کیا گیا ہے۔ کبھی کبھی پانی تلوؤں کے ذریعے سے کنوؤں سے اُدھر آجاتا ہے بشرطیکہ اُن کا پانی اوپر چڑھنے والا ہو۔ اس لیے کہ وہ پانی چھوٹا طرف سے گر کر زمین جمع ہو جائے اور زمین چڑھتا وجہ رہے کہ اُس کا اخذ قریب کا پانی ہے اور اس پانی کی سطح اُس پانی کے متوازی رہے جہان سے یہاں پر ہو چنچا ہے۔

برخلاف اس کے ایک قسم کا پانی ہوتا ہے جو تہ میں سے اُلتا ہے۔ ایسے پانی کی بات

لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ شاید سطح زمین تک آپہنچے اور اُس پر پھیل جائے۔ اس قسم کا پانی اکثر اُن ملکوں میں پایا جاتا ہے جو کوہستان کے قریب ہیں اور جہاں جھیلیں یا گہرے دریا موجود نہیں ہیں۔ اگر ایسے پانی کا خزانہ سطح زمین سے بہت بلند ہوتا ہے تو پانی اُبلتا ہوا نکلتا ہے بشرطے کہ تنگاف (جس میں سے پانی اُبلتا ہے) تنگ ہو۔ لیکن اگر خزانہ نیچا ہے تو پانی سطح زمین تک پہنچ سکے گا۔ پہاڑوں میں اکثر خزانہ ہزاروں گز اونچا ہوتا ہے ایسی حالت میں پانی تلحون اور سنارون کی چوٹیوں تک پہنچ سکتا ہے۔

مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ میں کے لوگ اکثر یہاں تک (کنوان) اکلوتے ہیں کہ وہ اُس چٹان تک پہنچ جاتے ہیں جس کے نیچے اُن کے خیال میں پانی ہوتا ہے تب وہ چٹان کو بجا کر دیکھتے ہیں اور پانی کی مقدار آواز سے معلوم کرتے ہیں اور بالآخر ایک چھوٹا سا سوراخ کر کے پانی کا حال معلوم کرتے ہیں۔ اگر ٹھیک ہوتا ہے تو پانی نکلنے اور بہنے دیتے ہیں، لیکن اگر غلط ہوتا ہے تو فوراً چوڑے اور گچھے سے بند کر دیتے ہیں اس لیے کہ انھیں یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کوہین، ریل العرم، کی طرح سیلاب پیدا ہو جائے۔

آبر شہر اور طوس کے درمیان پہاڑ کی چوٹی پر پانی کی ایک چھوٹی سی جھیل ہے جبکہ دور ایک فرسنگ (یعنی قریب بیس ہزار فٹ انگریزی) ہوگا۔ اس جھیل کا نام سبز دودھ ہے (اور اس کا پانی ہمیشہ جُون کا تون رہتا ہے) اس کے تین اسباب ہو سکتے ہیں۔

(۱) یا تو اُس کا مادہ کسی ایسے خزانے سے، جو جھیل سے بہت اونچا ہے، آتا ہے، اگرچہ اس خزانے کا موقع و جگہ سے بہت دور ہو، اور اس میں اتنی مقدار میں برابر پانی آتا رہتا ہے جتنا آفتاب کی شعاعیں اُس جھیل میں سے بخارات میں تبدیل کر دیتی ہیں۔

(۲) یا اُس کا مادہ کسی ایسے خزانے سے پہنچتا ہے جس کی سطح اُس جھیل کی برابر ہے

اور اس وجہ سے اس جھیل کا پانی خزانے کی سطح سے پست و بلند نہیں ہوتا۔

(۳) یا اُس کے مخارج کی کیفیت کسی طرح پر آدھ سنی ”الذَّخِج“ اور خود گدار پ

دو سراج الخادم نفسہ کے پانی سے مشابہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تم ایک پانی کی صراحی

(وَجَرَّةُ الْمَاءِ) یا دیا (ذَبْرَةُ الدُّهْنِ) لو۔ اور صراحی یا چراغ دان (یا دیا) کے کناروں

میں باریک باریک چھید ”ثُلُمًا لَطَافًا“ بناؤ پھر اُس میں ایک تنگ سوراخ (ثُقْبَةً ضَيِّقَةً)

بناؤ جو برتن کے دہانے سے اتنی دور پر ہو جتنی دو ترک تم پانی صراحی میں یا تیل چراغ دان میں

رکھنا چاہتے ہو (یعنی سوراخ وہ نشان ہے جہاں تک ہمیں پانی یا تیل رکھنا مقصود ہے)

اُس کے بعد تم جرہ کو پشت میں اور بوتہ کو لمپ (سراج) میں اٹ پلٹ کر ڈالو۔ تب پانی اور

تیل باریک باریک سوراخوں میں سے نکل آئے گا یہاں تک کہ وہ اس سوراخ کی سطح تک

آپہنچے گا۔ جب اتنی مقدار جتنی سوراخ میں سے نکلتی ہے خرچ ہو جائے گی تب وہ ٹپک لگی۔

جو سوراخ کے بعد میں ہے اس طرح اخیر تک پانی کی ایک سی حالت باقی رہے گی۔

اسی جھیل سے مشابہ شے پانی کا ایک کنواں ضلع کیا کہ کوہستان مانگور میں ہے۔

یہ ڈھال کی برابر بڑا ہے اور اُس کے پانی کی سطح ہمیشہ کنوین کے کنارے کے متوازی ہوتی

ہے اکثر فوج کی فوج اس کنوین کے پانی سے سیراب ہو جاتی ہے اور اُس میں انگلی برابر بھی

فرق نہیں ہوتا۔ اس کنوین کے قریب کسی انسان کے پیر کا نشان اس حیثیت سے بنا ہوا ہے

جیسے گویا کوئی عبادت میں مشغول تھا۔ دو ہاتھوں، انگلیوں اور گھٹنوں کے نشان ہیں۔ نیز

بچے کے پیروں اور گدھوں کے سونے نشان بھی ہیں۔ غرضی ترک ان نشانات کو

پوچھتے ہیں۔

اسی طرح کی ایک چھوٹی سی جھیل جو ایک میل مربل (ساڑھے چھ ہزار فٹ) ہے کوہ

بامیان پر واقع ہے۔ گاؤں جو ڈھال پر واقع ہے اُس کا پانی اسی تھیل میں سے ایک چھوٹے سے سوراخ میں ہو کر آتا ہے اور وہاں کے باشندوں کی ضروریات کے لیے کفایت کرتا، لیکن اس سے زیادہ دستیاب نہیں ہوتا۔

اکثر میدان میں بھی، جہاں کے پانی کا خزانہ بلند ہی پر ہو، پانی اُبٹنے لگتا ہے اگر پانی کے اُبٹنے کی طاقت کسی سبب مانع کی وجہ سے رُکی رہتی ہے تو جس وقت یہ مانع دور ہو جاتا ہے فوراً پانی اُبٹنے لگتا ہے۔ ابھی جانی نے بخارا اور القریۃ الحدیثہ کے درمیان میں ایک قریہ کا ذکر کیا ہے، جہاں کھوٹے والوں نے مال کے خزنے کی تلاش میں ایک پہاڑ کو کھودا۔ یکا یک اُن کی زد سے رُکے ہوئے پانی کو نکلنے کا موقع مل گیا۔ پھر تو کسی طرح وہ اُن کے رُکے ڈر کا اور آج تک جاری ہے۔

اگر تھیلین تعجب ہی کرتا ہے تو ایک عجیب موقع پر جس کا نام فیلوان ہے اور جو ہرجا کے قریب واقع ہے۔ انہما تعجب کر سکتے ہو۔ یہ ایک برآمدے (صُفۃ) کی شکل کی چیز ہے جو پہاڑ میں کھدی ہوئی ہے۔ اس کی چھت پر سے پانی گرتا ہے، تو پانی حج کر لمبی سائل کی صورت میں بن جاتا ہے۔ مہرجان کے اکثر لوگوں کی زبانی میں نے سنا ہے کہ لوگوں نے کدالوں سے اُس پر ضربیں ماریں تو جس جگہ چوٹ پڑی وہ جگہ خشک ہو گئی اور پانی بالکل نہ بڑھا۔ حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ اگر بڑھا نہیں تو حالت اصلی پر ضرور رہنا چاہیے تھا۔

اس سے بھی بڑھ کر عجیب جامع مسجد قیروان کے وہ دو ستون ہیں جن کا ذکر جیحانی نے درکتا بالممالک المسالک میں کیا ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ہر جمعہ کو طلوع آفتاب سے پہلے اسے انگریزی میں "Iceles" کہتے ہیں اور یہ برت کی وہ خاص صودت ہوتی ہے جب وہ بچھے وغیرہ سے جھک رہا ہو۔

ان سے پانی پیتا ہے۔ عجیب کہ عین جمعہ کے روز ایسا ہوتا ہے۔ اگر یہ واقعہ عموماً ہفتے کے روز پیش آتا تو فرض کیا جاتا کہ اس کا تعلق ماہتاب کے فلان موقع شمس پر پونچنے کے باعث سے ہے۔ غرض یہ قابل قبول امر نہیں ہے اس لئے کہ جمعہ کے روز کا ہونا ایسا ایسی شرط ہے جن سے معمول نہیں کیا جاسکتا۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ روم نے اُن کے خریدنے کے لیے لوگ روانہ کیے تھے اور کہلا بھیجا تھا کہ مسلمانوں کے لیے نقد قیمت اس سے بدرجہا افضل ہے کہ اُن کی مسجد میں دو پتھر موجود ہوں۔ لیکن اہل قیروان نے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ ہم خدا کے گھر سے نکال کر انھیں شیطان کے گھر بھجیں گے۔

اس سے بھی بڑھ کر عجیب چیز قیروان کا متحرک ستون ہے۔ یہ ایک طرف کو جھکا ہوا ہے۔ جب یہ ستون جھکتا ہے تو لوگ اُس کے نیچے کوئی چیز رکھ دیتے ہیں اور جب سیدھا ہوتا ہے تو وہ چیز اُس کے نیچے سے نکالی نہیں جاسکتی۔ اگر شیشہ نیچے رکھ دیا جائے تو اُس کے کچلنے اور ٹوٹنے کی آواز آتی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ محض ایک صنعت کا کرشمہ ہے، جیسا کہ اس کے محل وقوع سے ظاہر ہوتا ہے، (آثار الباقیہ صفحہ ۲۶۱-۲۷۵-۲۷۶)۔

ہم نے یہ مقام جو زیادہ طویل ہے تمام وکمال نقل کر دیا ہے تاکہ پورے طور پر ناظرین اندازہ کر سکیں کہ مسائل طبیعی کی عقدہ کشائی میں بیرونی نے کیسی باریک بین طبیعت پائی تھی۔

تاریخی روایات کی چھان بین کی کیفیت مندرجہ ذیل بحث سے ظاہر ہو گئی جو بیرونی نے اہل اسلام کے قمری حیدروں کے مشہور ایام کے تاریخی واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے بذیل یوم عاشورہ محرم تحریر کی ہے۔

”لوگ کہتے ہیں کہ اس روز خدا نے آدم کی خطا معاف کی۔ نوح کی کشتی اس دن کوہ جودی کی

چوٹی پر ٹھہری۔ حضرت عیسیٰ اس دن پیدا ہوئے۔ حضرت موسیٰ نے اُس روز فرعون کے بیٹے سے رہائی پائی۔ حضرت ابراہیم پر اس روز آتش نرود سرد ہوئی۔ حضرت یعقوب کی آنکھوں میں اس روز بصارت واپس آئی۔ یوسف اسی روز چاہ کغان سے نکالے گئے۔ یلیان اُس روز تخت نشین ہوئے۔ قوم یونس نے اس روز عذاب الہی سے نجات پائی۔ ایوب نے اس روز مرض سے صحت حاصل کی۔ حضرت ذکریا کی دعا اُس دن قبول ہوئی۔ نیز یہ بھی مشہور ہے کہ اسی دن حضرت موسیٰ نے بعد دو پہر ساحران مصر کو فتح پائی۔ اگرچہ ممکن ہے کہ یہ تمام واقعات ایک ہی تاریخ میں پیش آئیں لیکن یہ باتیں محض اُن قصہ گو یون کی بکواس ہیں جو تحقیق علمی کے طریقوں سے واقعات اخذ کرنے سے نا بلند ہیں اور روایات کو بالکل کتا کی روایات سے مطابق کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عاشورہ عبرانی لفظ "عاشور" سے معرب ہے جو یہودیوں کے ماہ تشرین (یعنی یہودی سال کے پہلے مہینے) کی دسویں تاریخ ہے جس دن کبور کا روزہ ہوتا ہے یہ بھی کہتمین کہ اس روز سے کی تاریخ کا عربی مہینوں سے انطباق کیا گیا اور پہلے عربی مہینے کی دسویں تاریخ اس کے لیے مقرر کی گئی جس طرح کہ یہودیوں کے پہلے مہینے کی دس تاریخ مقرر تھی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پہلے سال میں اسی تاریخ (دس محرم) کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور رمضان میں روزے مقرر ہوئے۔

لوگوں میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ رسول مقبول نے یہ یہ منورہ وار دہوتے کے دن یہودیوں کو عاشورہ کا روزہ رکھنے دیا۔ جب آپ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اُس روز خدا نے فرعون کو غرق کیا تھا اور موسیٰ اور بنی اسرائیل کو اس کے پنجے سے نجات دلائی تھی۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ

بہ نسبت یہود کے ہم موسیٰ سے زیادہ قریب ہیں۔ پس اسی روز آپ نے روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ جب رمضان کے روزے مقرر ہوئے تو عاشورہ کے روزے کا دن آپ نے حکم دیا اس کی مانعت کی۔

علمی تحقیقات سے یہ روایت صحیح ثابت نہیں ہوتی۔ سال ہجرت میں محرم کی پہلی تاریخ جمعہ کا روزہ ۱۶۔ نور ۳۱۔ سکندری تھی۔ لیکن اس روز کا یہودی تقویم سے مقابلہ کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ یہودی سال کا پہلا دن یک شنبہ ۱۲۔ ایلول مطابق ۲۹۔ صفر تھا۔ لہذا عاشورہ کا روزہ شنبہ ۹۔ ربیع الاول کو واقع ہوا اور رسول مقبول کی ہجرت ربیع الاول کے نصف اول میں پیش آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو شنبہ کو روزہ رکھنے کا جب سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا تھا: اس دن میں پیدا ہوا، اس دن نبوت ملی، اس دن ہجرت ہوئی۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سے دو شنبہ کو ہجرت وقوع میں آئی۔ بقول بعض ۲۔ ربیع الاول بقول بعض ۸۔ ربیع الاول اور بقول بعض ۱۲۔ ربیع الاول کو ہجرت پیش آئی۔ بہر حال تاریخ ہجرت ۸۔ ربیع الاول مسلم ہے اس لیے کہ ۲۔ اور ۱۲۔ ربیع الاول دو شنبہ کو اگر نہیں پڑیں اس سال کے ۱۔ ربیع الاول کو دو شنبہ کا دن تھا، دوسری کو شنبہ کا اور ۱۲۔ کو جمعہ تھا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارد دینہ ہونا تاریخ ۸۔ ربیع الاول یہودی مہینے کی دس تاریخ (مطابق ۹۔ ربیع الاول) سے ایک دن پہلے وقوع میں آیا اور عاشورہ کسی طرح محرم میں واقع نہیں ہوا۔ ہاں ہجرت سے دس اور تیس سال پہلے اور تیس سال بعد جا کر ضرور ایسا ہوا۔

اس لیے یہ دعویٰ باطل ہے کہ رسول اللہ نے عاشورہ کے دن اس وجہ سے روزہ رکھا کہ وہ اس سال (قری) کے پہلے ماہ کی دس تاریخ تھی اور دونوں تاریخیں (یعنی دس تاریخ محرم) ایک دن وقوع میں آئیں۔

صورت ہو سکتی ہے کہ تم عاشورہ کو یہودی سال کے پہلے سال کے عربی سال کے پہلے ماہ میں منتقل کر دو، اس لیے کہ ہجرت کے پہلے سال میں محرم کی پہلی تاریخ جمعہ کا دن اور دس محرم دو شنبہ کا دن تھا۔ نیز ہجرت کے دوسرے سال یہودیوں کا عاشورہ اور رسول اللہ کے وار و مدینہ ہونے کی تاریخیں ایک مہینہ ہو سکتیں اس لیے کہ اُس دن عاشورہ (یوم السبت) شنبہ تھا۔

اب رہا یہودیوں کا یہ قول کہ اُس روز (یعنی عاشورہ کو) فرعون غرق ہوا تو یہ خود توراۃ سے غلط ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ یہ واقعہ ۲۱ مہینہ کو پیش آیا جو ایام فطرمین سے سا تون دن تھا۔ رسول اللہ کے وار و مدینہ ہونے کے بعد یہودی سپودر کا شروع شنبہ کا دن ۲۲ راذار ۳۳۳ھ سکندری مطابق ۱۴ رمضان ہے اور جس دن فرعون غرق ہوا وہ ۲۳ رمضان ہوئی۔ پس یہ روایت بھی سراسر غلط ثابت ہوتی ہے۔“

(آثار الباقیہ ص ۳۲۹-۳۳۰)

اب ہم اخیر میں صرف ایک مقام اور نقل کرنا چاہتے ہیں۔ آثار کے اٹھویں باب میں جہان مدعیان نبوت کے حالات لکھے ہیں وہاں منصور علاج کے مختصر حالات بھی درج کیے ہیں۔ کتاب کی تصنیف کے وقت منصور کے قتل کے واقعہ کو کم و بیش نوے سال گزرے تھے۔ یہ خیال رکھتے ہوئے کہ منصور کے سوچ پر اس وقت تک تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے یہ حالات خاص دلچسپی سے پڑھے جاتے کے قابل ہیں اور تاریخی حیثیت سے بھی کسی قدر نئی روشنی ڈالتے ہیں:-

”لحقہ کے بعد ایک شخص صوفی منش فارسی نسل ابو الحسن بن منصور الحلاج پیدا ہوا۔ سب

پہلے اُس نے ہمدی ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں کوہ طالق واقع دلم سے آیا ہوں۔ لوگ اُسے پکڑ کر بغداد لے گئے۔ یہاں اُسے تشہیر کے بعد قید کر دیا گیا، لیکن قید سے نکل بھاگا۔ منصور ایک شعبہ پروا

اور متعین شخص تھا اور ہر مذہب اور فرقے کے لوگوں سے اُنکے اعتقاد سے اتفاق ظاہر کر کے
میل جول پیدا کرتا تھا۔ بعد میں یہ دعویٰ کیا کہ روح القدس مجھ میں حلول کر گئی ہے اور اپنے
آپ کو ”اللہ“ کے نام سے موسوم کیا۔ اُس کے ایک خط میں جو اپنے پیروں کے نام لکھا تھا
حسب ذیل الفاظ درج عنوان کیے تھے ”مَنْ اَلَهُوَ هُوَ الْاَوَّلُ الْاَوَّلُ النُّورِ الشَّاطِعِ الْاَوَّلِ
وَالْاَوَّلِ الْاَوَّلِ وَحِجَّةُ الْحُجَّةِ وَرَبُّ الْاَسْبَابِ وَنَشِی السَّیِّئَاتِ وَمَشْكُوَّة النُّورِ وَرَبُّ الطُّوَلِ
الْمَقْبُولِ فِي كُلِّ صُوْرَةٍ اِلَى عِبَادِهِ فَلَا تَ“ یعنی یہ خط ہے اُسکی طرف سے جو کہ ازلی اورابدی ہے
جو چمکتا ہوا نور، تمام اصولوں کی اصل، تمام جھوٹوں کی حجت، خدا اوّل کا خدا، بادلوں کا بنانا والا،
نور کا دیرپہ، طور کا خدا ہے اور تمام صورتوں میں پہنانا ہے، فلان بندہ کا نام۔ اُس کے پُر
اپنے خطوط کو اُس کے نام بھیجتے تھے اس طرح شروع کرتے تھے ”بِسْمِکَ یَا ذَاتِ الْاَزَالِ
وَمُنْتَهٰی غَايَةِ الْاَزَالِ، یَا عَظِیْمُ یَا کَبِیْرُ اَشْهَدُ اَنْکَ الْبَارِئُ الْقَدِیْمُ الْمُنِیْعُ
الْمَقْبُوْلُ فِی كُلِّ زَمَانٍ وَفِی زَمَانِنَا فِی صُوْرَةِ الْحُسَیْنِ بْنِ مَنصُوْرٍ عِبْدِکَ وَمُسْلِمِکَ
وَفَقِیْرِکَ وَالْمُسْتَجِیْرُ بِکَ وَالْمُنِیْبُ اِلَیْکَ الرَّاجِی رَحْمَتِکَ یَا عَلَامَ الْغُیُوْبِ یَقُوْلُ
کَذَا وَکَذَا“ یعنی شروع تیری تعریف کے ساتھ لے تمام ہستیوں کی ہستی، تمام خوشیوں کی انتہا،
اُسے عظیم لے کبیر، میں گواہی دیتا ہوں کہ تو باری اور قدیم ہے اور روشنی کا پیدا کرنے والا اور تمام
زمانوں میں ظاہر ہونے والا ہے اور ہمارے زمانے میں حسین بن منصور کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ تیرا غلام
سکین فقیر، تیری مدد کا محتاج، تیری پناہ کا طلبگار اور تیری رحمت کا امیدوار ہے پوشیدہ باتوں کے
جاننے والے یہ اور یہ عرض کرتا ہے۔

منصور نے اپنے دعوے میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں مثلاً ”کتاب نور الاصل“ ”کتاب
جمع الاکبر“ اور ”کتاب جمع الاخصر“

سلسلہ میں تعلقہ مقتدر بادشاہ نے گرفتار کر لیا۔ ایک ہزار تا زیادہ لگوائے اور ہاتھ پیر
 کٹوا کر قتل کر دیا بعد اسکے بعد رنغن تفتہ ڈلو کر جلوا دیا اور خاک وریاے و جلہ میں ڈال دی۔ دور
 قتل میں اُس نے مُٹھ سے ایک لفظ نہ نکالا بلکہ پیشانی پر پل بھی نہ پڑا اور لب تک نے خیش نہ کی۔
 منصور کے مذہب کے پیرو کچھ لوگ اس وقت تک موجود ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ ہمدی
 طالقان سے پھر ظاہر ہوگا۔ اس ہمدی کے متعلق کتاب الملاحم میں مذکور ہے کہ وہ دنیا کو
 انصاف سے بھر دیگا۔ جیسے کہ اس وقت جو روحہدی سے بھری ہوئی ہے۔ اس کتاب میں کہیں
 لکھا ہے کہ وہ محمد بن عبد اللہ ہوگا، کہیں ہے کہ وہ محمد بن علی ہوگا۔ چنانچہ جب مختار بن ابی عبیدہ
 الشعمی نے لوگوں سے محمد الحنفیہ کے گرد جمع ہونے کا اعلان کیا تو یہی دعویٰ کیا کہ یہ ہمدی موجود ہے۔
 ہمارے زمانہ میں بھی لوگ ہمدی کے آنے کے منتظر ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جبل رضوی
 میں اُس کا قیام ہے۔ بنو امیہ اسفانی کے ظہور کے منتظر ہیں، جس کا کتاب الملاحم میں ذکر آیا ہے
 اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ دجال جو لوگوں کو گمراہ کرے گا ناحیہ اصفہان سے اُٹھے گا۔ منجہد
 کا خیال ہے کہ وہ جزیرہ یرٹائیل سے یزدجرد بن شہر پار کے ۴۶۶ سال بعد ظاہر ہوگا۔ نخل
 میں دجال کے ظہور کے علامات مذکور ہیں۔ یونانی اویسی کتابوں میں جیسا کہ مارٹن دوس
 اسقف مصیعیہ نے تفسیر انجیل میں بیان کیا ہے، اُس کا نام انطیخرسٹوس ہے۔ (آثار ص ۲۱۱-۲۱۲)

(۵)

اب ہم بیرونی کی اُس تصنیف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اُس نے ہند کے متعلق لکھی ہے۔ اس کتاب کا پورا نام ”کتاب ابی الریحان محمد بن احمد البیرونی فی تحقیق ما للہند من مقولہ مقبولہ فی العقل او من دولہ“ ہے۔ اس کتاب کا منشأ اُس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس میں ہندوؤں کے متعلق ہر قسم کی معلومات خواہ وہ عقلاً قابل قبول ہوں یا نہ ہوں، جمع کی گئی ہیں۔ ہم لمحاظ اختصار اسے ”کتاب الہند“ کے نام سے موسوم کرتے آئے ہیں، اور آئندہ بھی اسی نام سے اس کا ذکر کریں گے۔

اوپر بیرونی کے حالات میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ افغانستان پہنچنے کے بعد بیرونی نے ہندو علوم پڑھنے کا اہتمام کیا اور اسی غرض سے مغربی ہندستان کی طالب علمانہ سیاحت بھی کی۔ اب کیفیہ یہ ہے کہ حصول مرام میں بیرونی کہاں تک کامیاب رہا۔

ہندو علوم کا مخزن سنسکرت زبان تھی۔ ہمارے زمانے میں اس قدیم زبان کے سیکھنے کے واسطے جو آسانیاں مہیا ہیں وہ پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں موجود نہ تھیں۔ لیکن آج بھی جو شخص سنسکرت زبان سیکھنے اور اُس میں ادبی اور علمی مہارت حاصل کرنے کے لیے مستعد ہو، وہ بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کے لیے اُسے کتنی جان توڑ محنت اور کتنا عزیز وقت صرف کرنا ہوگا۔

بیرونی غرضاً اہم کے بعد (مستلزم) جب غزنی پہنچا اُسکی عمر

پنٹالیس سال سے متجاوز ہو چکی تھی، اور جس وقت اُس نے کتاب لہند ختم کی، (۱۲۳۳ھ) اُسکی عمر ساٹھ سے اوپر تھی۔ پنٹالیس^{۱۴} اور ساٹھ سال کی عمر کے درمیان میں جو مدت ہے وہی بیرونی کی اُس طالب علمی کا زمانہ ہے۔ نہایت غیر معمولی شوق، اعتماد، ہمت اور استقلال درکار ہیں کہ عمر کے اس حصے میں کوئی شخص ایسی شدید دماغی محنت کے لیے مکرستہ ہو جائے۔

بیرونی کے لیے اس امر میں صرف عمری کا ایک سوال نہ تھا، جس کے لیے مردانہ عزم درکار تھا۔ سنسکرت زبان خود بیرونی کے لیے ایک ایسی زبان تھی جس کی غیر معمولی دشواری دوسرے کی ہمت توڑ دینے کو کافی ہوتی۔ بھلا کیسے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ ایک خوارزمی مسلمان، جس کے چالیس سال سخت دماغی کاوشوں میں گزر چکے ہوں، ایک غیر مانوس، مشکل الحصول، غیر ملکی غیر مذہبی زبان کو، جو حدود اسلام سے باہر ہو، سیکھنے کی کوشش کرے، اور یہ سب نہ کسی معاوضہ کی امید پر اور نہ کسی کی ہمت افزائی سے، بلکہ محض یہ نیت تحقیقات علمی۔ خود تاریخ اسلام میں، جہاں شایقین علوم کی تعداد شمارا اور اندازے سے باہر ہے، یہ واقعہ اپنی نظیر آپ ہے۔ یہ امر بالکل یقینی ہے کہ ابن رشد اور ابن سینا، ارسطو اور جالینوس کی زبان سے بالکل ناواقف تھے۔ گوانخلون نے علوم یونان سے بہت کچھ فیض اٹھایا اور دنیا کو پہنچایا، لیکن کبھی انھیں اصلی سرچشمے پر پہنچنے کا خیال بھی نہیں آیا، بلکہ اُنکا داردار کلیتہً ان عربی تراجم پر رہا جو دوسروں نے یونانی کتابوں سے کیے تھے۔ ایک طرف یہ صورت ہے، دوسری طرف بیرونی کی مثال ہے، جس نے علوم ہند اور اہل ہند کے حقیقی

اور واقعی حالات پر مطلع ہونے اور دنیا کو ادنیٰ سے واقف ہونے کی نیت سے اُنکے ملک کی سیاحت کی اُن میں رہ سہ کے خود اُنکی زبان سیکھی اور اُنکی مذہبی اور علمی تصانیف بہم پہنچا کر خود مطالعہ کیا۔ اس امر کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا کسی کو اس سے انکار ہوگا کہ ”علمائے اسلام بلکہ حکماء عالم میں بیرونی ایک غیر معمولی تہیاز کا واقعی مستحق ہے“ معلوم ہوتا ہے کہ حکیم مطلق نے اس بے نظیر حکیم کے جسم میں طلب علم کی وہ روح بھردی تھی، جو بہت کم جسموں میں پائی گئی ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ تباہ ہونے والی قوم کو سدا رہا اور اقوام عالم میں داخل ہے اور ایک قوم کو دوسری قوم کی علم و دانش سے محروم رکھنے کے لیے ایک عبق خلق ہے دور ہوجا اور بلا واسطہ غیرے آپس کے میل جول سے وہ فائدہ اٹھایا جائے جو نسل انسان کی ترقی تمدن اور عقل و دانش کا راز اعظم رہا ہے۔

بغیر سنسکرت کے دشوار و پیچیدہ صرف و نحو اور لغات پر کامل دسترس حاصل کیے ناممکن تھا کہ بیرونی اہل ہند کے مذہب، فلسفہ، ہیئت، نجوم اور ریاضی کے اوق مسائل کو اس خوبی، صحت اور وسعت کے ساتھ سمجھ سکتا۔ زمانے کے سامنے اس وقت کتاب الہند موجود ہے اور اُس کے ہوتے ہوئے بیرونی کے تبحر کی دوسری شہادت پیش کرنا غیر ضروری ہے بعض کتاب کے مضامین کی فہرست پر ایک سرسری نظر ڈال لینے سے بھی اتنا معلوم ہو سکتا ہے کہ بیرونی اپنی غرض و غایت کے حاصل کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوا، اگرچہ صحیح اندازہ کرنے کے لیے لازمی ہے کہ اس کتاب کا ایک ایک لفظ خود پڑھا جائے۔ مضامین ملاحظہ ہوں :-

(۱) ہندوؤں کے عام حالات بطور مقدمہ (۲) خدا سے تعالیٰ کے واسطے میں

ہندوؤں کا اعتقاد (۳) موجودات عقلیہ و حسیہ کے بارے میں ہندوؤں کے خیالات
 (۴) فعل کا سبب کیا ہے، انفس (روح) کا مادہ سے کیا تعلق ہے (۵) ارواح کا حال
 اور تناسخ ارواح کا مسئلہ (۶) سزا و جزا اور جنت و دوزخ (۷) دنیا سے خلاص
 کی کیفیت اور کس طرح خلاص حاصل کیا جائے (۸) خلافت کی مختلف جنسوں کے نام -
 (۹) مختلف طبقوں (ذاتوں) کا ذکر (۱۰) سنن (قوانین نہیں اور نوامیس (قوانین
 عدالت) اور پیغمبروں اور نبی شرائع کے بارے میں (۱۱) بت پرستی کا آغاز کیسے ہوا
 اور مخصوص بتوں کا ذکر (۱۲) وید، پران اور مذہبی کتابوں کا ذکر (۱۳) کتب نحو و
 شعر کا ذکر (۱۴) کتب علوم کا ذکر (۱۵) اوزان و پیمائش کی تفصیل (۱۶) ہندو
 رسوم الخط اور حساب غیرہ کا ذکر اور چند بیع ہو متعلقہ کی توضیح (۱۷) وہ علوم جو ہلہ میں
 شائع ہیں (۱۸) مختلف معارف مثلاً ہندوؤں کے بلاد، انہارا درویدائن اور انکے مالک اور
 حدود کے مابین مسافات کا ذکر (یہ باب گویا ہندوستان کا جغرافیہ ہے) (۱۹) کوکب اور سورج
 کے ناموں اور منازل قمر اور اسی طرح کی دوسری باتوں کا ذکر (۲۰) برہمانہ کا ذکر (۲۱) ارض
 و سما کی صورت انکی مذہبی روایات کے موافق (۲۲) قطب کے متعلق روایا (۲۳) صحابہ پران
 وغیرہ کے اعتقاد کے موافق کوہ میرد کا ذکر (۲۴) پرانوں کے رو سے سات دیوؤں کا ذکر
 (۲۵) دریاؤں اور انکے خروج اور گزرگاہوں کا ذکر (۲۶) ہندوؤں کے خیال کے موافق زمین و آسمان
 کی صورت (۲۷) ہندوؤں کے خیالات متعلق حرکتیں الارض (۲۸) دس سمتوں کی تفریح
 (۲۹) لنکا المعروف بقبۃ الارض کا ذکر (۳۰) مالک ارض کی تقسیم خیالات اہل ہند (۳۱)
 مختلف مقامات کے اطوال البلاد (۳۲) مدت و زمان اور عالم کی پیدائش اور فنا کا
 ذکر (۳۳) دن کی مختلف قسموں اور رات اور دن کا ذکر -

(۳۴) دن کی تقسیم چھوٹے چھوٹے حصوں میں (۳۵) سالوں اور مہینوں کی
 قسمیں۔ (۳۶) اُن چار مقداروں کا ذکر جنہیں "مان" کہتے ہیں (۳۷)۔ دنوں
 اور مہینوں کی تقسیم حصوں میں (۳۸) اوقات کی مختلف مقداریں پر مہین کی عمر کا
 ذکر (۳۹) اُن اوقات کا ذکر جو برہمن کی عمر سے زیادہ ہیں (۴۰) سیندھ ہرنے زمانوں
 کے درمیان فصل مشترک کا ذکر (۴۱) کلب اور چتر جوگ کی تشریح اور ایک کی تشریح
 دوسرے کی مدد سے (۴۲) چتر جوگ کی تقسیم جوگون میں اور ہر ایک کے اختلافات کا
 ذکر (۴۳) چاروں جوگون کے خواص اور اخیر جوگ کی کیفیت (۴۴) مہینوں کا
 ذکر (۴۵) نبات انش کا ذکر (۴۶) نارائن مختلف اوقات میں اس کا ظہور اور اُس کے
 نام (۴۷) واسد یو اور جنگ مہا بھارت (۴۸) مقدار اکشوبہنی کی توضیح (۴۹) تواریخ
 دینین مروجہ کا ذکر بالا جمال (۵۰) کلب اور چتر جوگ میں ستاروں کی گردش (۵۱)
 ادھیما س، اونراترا، اہرگن کی، جو مختلف ایام کی مقدار ظاہر کرتے ہیں تشریح
 (۵۲) مطلق اہرگن کا حساب یعنی سالوں کے مہینوں کو دنوں میں بدلنا اور دنوں کے
 سالوں اور مہینے بنانا (۵۳) اہرگن یعنی سالوں کا مہینوں میں (اُن خاص قواعد
 موافق جو تقویم میں خاص تاریخوں اور خاص وقتوں کے معلوم کرنے میں استعمال
 ہوتے ہیں) تبدیل کرنا (۵۴) ستاروں کے اوساط معلوم کرنا (۵۵) ستاروں کی
 ترتیب، بعد اور جسامت کا ذکر (۵۶) چاند کی منزلیں (۵۷) ستاروں کے ظاہر
 ہونے اور مہندوؤں کی ایسے موقعوں پر خاص رسموں کا ذکر (۵۸) ہندو کے پانی
 کا وجہ ذکر (۵۹) کسوف شمس و قمر کا ذکر (۶۰) پروں کا ذکر (۶۱) از دے مذہب
 جو نجوم ہند "ارباب لازمہ" اور اسی قسم کے دوسرے امور کا بیان (۶۲) ستیچتر

یعنی ساٹھ سالہ کا جسے شد بڑ بھی کہتے ہیں، ذکر (۶۳) برہمنوں کے متعلق مخصوص امور اور
 اُن فرائض کا جو انھیں اپنی زندگی میں انجام دینے ہوتے ہیں، ذکر (۶۴) برہمنوں کے
 سوا دوسرے ذات کے لوگ جو رسوم بہتے ہیں اُن کا ذکر (۶۵) قربانیوں کا ذکر (۶۶)
 حج اور مقامات متبرک کی زیارت کا بیان (۶۷) صدقات اور گدنی کے اخراجات کا
 ذکر (۶۸) کھانے پینے میں کوئی چیزیں جائز اور ممنوع ہیں (۶۹) نکاح حیض، نفاس
 اور حمل کا ذکر (۷۰) دعاوی (مقدمات) کا ذکر (۷۱) سزا اور جرمائے کا ذکر (۷۲) توریث
 اور حقوق المیت کا ذکر (۷۳) میت کے جسد کے حقوق (۷۴) روزوں اور
 ان کی مختلف قسموں کا ذکر (۷۵) روزوں کی تعیین (۷۶) عیدوں اور سیلون کا
 ذکر (۷۷) متبرک ایام بعد اور نخل اوقات، اور حصول ثواب کی مخصوص ساعتوں
 کا بیان (۷۸) کرنوں کا ذکر (۷۹) یگون کا ذکر (۸۰) ہندوؤں کے احکام بنجم کا ذکر
 اور اصول و قواعد بنجم بقاعدہ اہل ہند۔

اس طرح کتاب الہند کل اسی بابوں پر تقسیم ہے۔ مضامین کی گونا گونی اور
 طرز تحریر کے حیرت انگیز ایجاز کو دیکھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ واقعی بیرونی نے
 یورپا کو کونے میں بھرا دیا ہے۔

کتاب الہند کے پہلے ہی باب میں بیرونی نے ہندو علوم کے تحصیل کی
 روش و طریق پر بحث کرتے ہوئے غائب کیا ہے کہ اہل ہند اور اہل اسلام آپس میں
 بالکل مختلف ہیں اور کوئی بات ایک کی دوسرے سے نہیں ملتی۔ زبان، مذہب،
 رسم و رواج، طریق معاشرت و تمدن غرض ہر چیز ان کی اُن سے مختلف ہے۔
 ہندوؤں کی علمی زبان سنسکرت کی مشکلات کا وہ شاکی ہے، اور کہتا ہے کہ

اوپر کی طرح یہ بھی ادا ہے۔ ایک ایک لفظ کے لیے بہت سے ہم معنی الفاظ ہیں
 وراکثر الفاظ کثیر المعانی ہیں جسکی وجہ سے تا وقتیکہ عمل استعمال کو ملحوظ نہ رکھا جائے
 اُس کے سمجھنے یا ترجمہ کرنے میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ نیز مسلمانوں کے لیے
 یہ بھی ایک بڑی دشواری ہے کہ وہ سسکت حروف کے صحیح لفظ سے قاصر ہیں
 اور ان کا لب و لہجہ ٹھیک طور پر حروف کے مخارج کو ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا
 ہزار آفرین ہے علامہ محمد فرح پر کہ کسی دشواری سے اُس کی ہمت پست
 نہ ہوئی اور کسی وقت کو دھیان میں نہ لایا۔ اُس زمانے کے ہندوؤں سے دوستانہ
 تعلقات پیدا کرنا اور ان میں رہ سہ کر اس طرح علم سیکھنا نہایت مشکل کام تھا۔ ہندو
 بلکہ، حملہ آور قوم کے لوگوں سے بچتے تھے اور بیرونی نے صاف لکھا ہے
 کہ اجنئیوں، خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ، اُن کا علمی تجل بہت سخت تھا، والد علم
 کن تریکینوں سے بیرونی نے علمائے ہند کو رام کیا۔ فی الحقیقت سب سے پہلی اور
 ضروری بات زبان دانی تھی۔ زبان آجانے پر بیرونی جیسے منہجر کے لیے ہندو علوم
 کی کتابوں کا سمجھ لینا ایسا دشوار نہ تھا اور چند ان تعجب نہیں کہ کچھ مدت بعد بیرونی
 پنڈتوں کی مدد سے مستغنی ہو گیا کہ اُس کے تبحر کو دیکھ کر خود اُس کے استاد پابگل
 جاتے تھے۔ چنانچہ بیرونی خود لکھتا ہے۔

”ہندو مہیشیت دانوں سے (ابتداءً) میرا تعلق بوجہ اجنبی ہونے کے شاگردانہ رہا،
 لیکن تھوڑے زمانے میں جب کچھ واقفیت ہو گئی تو میری حیثیت اُستاد کی ہو گئی۔ چونکہ مجھے
 ہیشیت اور ریاضی میں پوری مہارت تھی میں انجینئرز اور درس دینے لگا۔ پنڈتوں کو میری معلومات
 سے بڑا تعجب ہوا اور حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ تم نے کس ہندو پنڈت سے یہ معلومات حاصل کی ہیں؟“

انھیں کسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ کوئی اجنبی ان کے ملک میں اگر ہمہ سہی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ وہ لوگ مجھے ساحر سمجھتے اور اپنی زبان میں "بجر" (ساگر) پکارتے تھے۔ (الہند باب اول)
 کتاب الہند ہندو علوم کے متعلق پہلی کتاب تھی، عہد عباسیہ میں دربار ہندو کی ہنر وری کا شہرہ من کرچند علمائے ہند اسلامی ممالک کی حدود میں جا پہنچے تھے اُس عہد کے مسلمانوں کا علمی شوق ایسا نہ تھا کہ ان لوگوں سے بغیر فائدہ اٹھائے رہتا۔

خلافت عباسیہ کے ابتدائی زمانے میں ہی بعض کتابیں علوم ہند کے متعلق شائع ہو چکی تھیں اور اہل عرب طب ہند اور طبیعت ہند سے یونانی طب طبیعت سے پہلے روشناس ہو چکے تھے۔ منکا اور صالح نے عہد ہارونی میں اور میکہ اور ابن دہبان نے عہد مامونی میں کئی طبی کتابوں کے ترجمے مسلمانوں میں شائع کر دیے تھے اور چرک و مسٹر کی طبی تالیفات تو اس زمانے سے بھی پہلے مطبوع عوام ہو چکی تھیں۔ ہندو طبیعت کی کتاب "سدھانت" جو عربی ادب کی تاریخ میں سندھ کے نام سے مشہور ہے المنصور کے زمانے میں ۱۶۲ھ ہجری ۷۷۹ء میں عربی زبان کے اندر ترجمہ ہو چکی تھی اور بطلمیوس کی کتاب المجسطی سے پہلے علوم ہند میں

۱۔ سدھانت کا مصنف برہم گیت تھا مشرقی تاریخ علمی میں اس ہندو عالم کا نامیت اعلیٰ پایہ ہے۔ برہم سدھانت اچھوتہ نہ کہ شست نے قیس برس کی عمر میں تیار کیا تھا۔ بطلمیوس اور فیثاغورث کی کتابوں کی اشاعت سے پہلے اہل عرب نے برہم گیت ہی کی کتاب سے ہیئت کے مسائل سیکھے تھے۔ اس کو انفرادی نہ ہندو پنڈتوں کی مدد سے علمی میں نقل کیا تھا۔ اس کے علاوہ برہم گیت کی کتاب اکرن لکھنڈ کھانڈیک کا بھی ترجمہ ہوا تھا جس کا نام "الارکنہ" مشہور ہے سندھ ہند جس کا عربی تصانیف۔ اس کثرت سے ذکر آیا ہے ابھی تک دستیاب نہیں ہوا۔

خود اصل کتب کے مطالعہ کی قابلیت پیدا کر لے۔ کتاب الہند کے شروع میں بیرونی نے کتاب الہند کی تالیف کا سبب بیان کیا ہے اس سے اس امر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ استاد ابوسہل عبد المنعم بن نوح اظہری کی مجلس میں ایک دوست سے (جس کا نام اور حال کچھ نہ معلوم ہو سکا) بیرونی کی ادب، تاریخ، مذہب اور فلسفے پر گفتگو ہوئی۔ شدہ شدہ جب فلسفہ و مذہب ہند کا ذکر آیا تو بیرونی نے کہا کہ بالعموم مسلمانوں کی ہندوؤں کے متعلق جو کچھ معلومات ہیں وہ غلطیوں اور نقائص سے مملو ہیں اس لیے کہ یہ معلومات ایسے تراجم وغیرہ پر مبنی ہیں جن کی صحت میں کلام ہے اور جن میں سے بعض قطعاً پایہ تحقیق سے گری ہوئی ہیں۔ ابوسہل نے جب خود ہند کے متعلق عربی لٹریچر کا مطالعہ کیا تو بیرونی کی اسے سے اتفاق کیا اور درخواست کی کہ بیرونی اس ٹکمی کو پورا کر دے غرض ابوسہل کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی گئی۔

اس سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس سے پہلے بیرونی نے ہندوؤں کے متعلق کوئی کتاب نہ لکھی تھی۔ خاص مباحث پر وہ کئی تصانیف حوالہ دے کر چکا تھا، لیکن بلاشبہ اس جامعیت کے ساتھ اہل ہند کے بارے میں اس کی بھی کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ کتاب الہند سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پیشتر جب ذیل سنسکرت کتابوں کے ترجمے اُس نے عربی میں کیے تھے۔

- (۱) کپل کی ساکھ اور (۲) پاتنجل (۳) پانی ساسی و صانت مصنفہ برہم گپت (۴) برہم سدھانت (سندھند) مصنفہ برہم گپت (۵) اور (۶) کا ترجمہ کیا گیا تھا۔

نام سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسہل غالباً ریاضی کا کمالیہ اور عمادہ دار تھا۔ ۱۲

تصنیف کے وقت تک نامکمل تھا۔ (۵) بری ہم ہتیا اور (۶) لکھو جام مصنفہ
ور اہمیر۔

اسی دوران میں وہ حسب ذیل کتابوں کو سنسکرت زبان میں ترجمہ کر رہا تھا
(۱) مقالات اقلیدس (۲) کتاب الجبیطی (۳) صطرب لاب بنائے کے قواعد میں خود
بیرونی کی لکھی ہوئی کتاب۔ علاوہ ان تراجم کے زریج الارکند کے ترجمے کا بھی خیال
ظاہر کیا ہے اور بعد میں اس خیال کو پورا بھی کیا جس کا مہتر ترجمہ ناقابل اطمینان تھا، ہند
سحاق پانچ چھ اور کتابیں خاص بیرونی کی تالیفات سے کتاب النہدین پر سبیل التذکرہ
مذکور ہیں۔

کتاب الہند کے مضامین پر مطلع ہو جانے کے بعد بیرونی کا طریق تحریر معلوم
کرنا از بس ضروری ہے۔ بیرونی کتاب الہند میں وہ امور بیان کرتا ہے جو اس نے خود
دیکھے، سنے یا دبالائے ہمہ پٹے ہیں۔ ہر مضمون کو نہایت بے تعصبی اور کشادہ
دلی سے بیان کیا ہے اور کتاب کا پٹھنے والا صفحے کے صفحے پڑھتا چلا جائے
تو بھی اکثر اسے پتا نہ چلے گا کہ اس کا لکھنے والا کوئی غیر مذہب کا شخص ہے انداز تحقیق
اور طرز تحریر سے شکل سے خیال ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف آج سے
نوسو سال پہلے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے زمانے کا
کوئی بے تعصب اور استیلاز محقق نہایت کامیابی کے ساتھ ہندو تہذیب تمدن
کی داستان سن رہا ہے۔ جنبہ داری اور ناروا داری کا نام و نشان بھی نہیں مل سکتا
اگرچہ وہ مسلمان ہے، لیکن ہندو حکما کے خیالات سے جا بجا اتفاق رکھتا اور
ان کے بعض علمی مسائل کو فرخ دلی کے ساتھ قبول کرتا ہے۔ سب سے بڑھ کر

وہ سچائی کا شدید اور راستی اور ریاضت سے سخت متنفر ہے۔
 بیرونی کا اس تصنیف سے ہرگز یہ نشانہ نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ
 ہندوؤں کے خیالات کی تردید کی جائے ان کے مذہب کی بُرائیاں دکھائی
 جائیں اور اس طرح انھیں اپنے اعتقادات سے برگشتہ کیا جائے، اُس نے
 جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے قلم سے خود انھیں کے صحیح خیالات کا اظہار ہے ہندو
 تہذیب و عقل کی کہانی خود اہل ہند کی زبانی سنائی اور تمدن ہند کی تصویر خود
 ہند و مصور کے قلم سے کھینچی ہے۔ وہ بار بار اعادہ کرتا ہے کہ میں کسی امر کے
 کذب و صدق کا ذمہ دار نہیں۔

کتاب الہند کے ابواب کا التزام اس طرح پر کیا گیا ہے کہ ہر باب ایک
 مختصر عام تہید سے شروع ہوتا ہے۔ تہید کے بعد باب میں اجزاء پر تقسیم معلوم
 ہوتا ہے۔ اول مسئلہ زیر بحث کی تشریح کی جاتی ہے، پھر اُس پر توضاحت پیش
 کرتا ہے اور بعد مستند مصنفین ہند کی کتابوں سے مناسب موقع اور موزون
 اقتباسات اپنی بیان کی تائید میں پیش کرتا ہے۔ علاوہ ازیں جایجا مقابلہ و نقد
 سے بھی کام لیتا ہے۔ غرض وراثت، شہادت، ذاتی تملکات اور روایات ہر قسم کے
 معلومات مدللین کی کوشش کرتا ہے۔ یہ التزام تمام ابواب میں مشترک ہے۔ ساری
 کتاب میں ایک لفظ بھی فضول اور لا حاصل استعمال نہیں کیا گیا۔ جامعیت کے
 ساتھ اختصار بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے، لیکن جہاں توضیح و تکرار ہے، یا بغیر تفصیل
 کے دشواری لایا خل معلوم ہوتی ہے وہاں ایجاز کی خاطر وضاحت کو بالائے طاق
 نہیں رکھا۔ چھوٹی برسی عام و خاص کسی قسم کی تحقیق ہو، اُس کے سامنے محنت

اور وقت کی کچھ پرواہ نہیں کی ہے۔

بیرونی کے خیال میں ہندو اعلیٰ پایہ کے فلسفی، نہایت عمدہ ریاضی دان، ماہر حیثیت تھے۔ فلسفہ ہند سے اُسے ایک خاص دلچسپی ہے اور اُس کی جانب اُس کا توجہ بوجھان ہے اور اُس کے متعلق بیرونی کی معلومات بھی بہت وسیع معلوم ہوتی ہیں۔ ہند کے مسائل فلسفہ کو ناظرین کے ذہن نشین کرنے کی غرض سے بیرونی ہر جگہ فلسفہ یونان سے جس میں اُسے دستگاہ کامل ہے، مقابل کرتا ہے۔ بلاشبہ اُس کے کتب خانے میں یونانی کتب کے تراجم کا مکمل ذخیرہ موجود تھا اور اُس کا یونانی کتب حکمت کا مطالعہ نہایت وسیع اور غائر تھا۔ اعلیٰ حکماء یونان کی تصانیف سے کثیر اقتباسات لیکر اہل ہند اور اہل یونان کے خیالات کا مقابلہ کیا ہے۔ جس قابلیت سے بیرونی نے اس کام کو انجام دیا ہے تعریف نہیں کی جاسکتی۔ یونانیوں کے سوا، مجوسیوں، یہودیوں، عیسائیوں، صوفیوں اور رانویوں کے خیالات بھی مقابلے میں پیش کیے ہیں۔

بیرونی کا عقیدہ ہے کہ قدیم حکماء یونان و ہند، جنہیں وہ طبقہ عوام سے جدا سمجھتا ہے خود اُس کی طرح پکے موجد تھے۔ شاذ ہی اُس نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ مذہب اسلام کو مذہب ہندو سے برتر ثابت کرے۔ یہ اُس کے اندر تحقیق کے خلاف بات ہے اور وہ اس کا رد اور انہیں ہوسکتا کہ مباحث علمی میں مذہبی مناظرے کا دروازہ کھولا جائے۔ یہ سچ ہے کہ بیرونی نے اہل ہند کے بعض خیالات سے اختلاف کیا ہے، لیکن یہ اختلاف محض عالمانہ اختلاف ہے اور نہ عقائد تنقید کے واسطے میں داخل ہے۔ ہندوؤں کی

عقل و دانش کا وہ مداح ہے اور جہاں ممکن ہوتا ہے اُن کے خیالات سے اپنے خیالات کو مطابق کرنے میں نہایت عرق ریزی اور وقت نظری سے کام لیتا ہے۔ بیرونی نے ہندوؤں کی صنعت و دستکاری کی تعریف کی ہے چنانچہ ایک جگہ ہندوؤں کے نہانے کے تالابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”اس فن میں ہندوؤں کو کمال چاہیے۔ مسلمان جب ان تالابوں کو دیکھتے ہیں تو ذنگ ہو جاتے ہیں اور ویسے تالاب بنا تو درکنار اُن کے بیان سے بھی عاجز رہ جاتے ہیں“

بیرونی نے جہاں منسکرت لٹریچر سے بحث کی ہے وہاں بہت سی کتابوں کے نام لکھے ہیں اُن کثیر التعداد منسکرت تصانیف کی فہرست کا تحریر کرنا جن کے نام کتاب الہند میں مذکور ہیں، شاید بمشکل ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہم اُن کے بیان سے قطع نظر کرتے ہیں، البتہ آئنا تا دینا یہاں ضروری ہے کہ مسلمانوں میں بیرونی پہلا شخص ہے جس نے پرانوں کو پڑھ کر اہل اسلام کو اُن سے مطلع کیا۔ کتاب الہند میں جا بجا مناسب انتخابات بھی دیے ہیں۔ اس سے پہلے کوئی مسلمان پرانوں کے نام تک سے واقف نہ تھا۔ مجھ کو گیتا کے پاکیزہ خیالات سے بیرونی خاص طور پر متاثر معلوم ہوتا ہے اور اس میں بے بہا کو بیرونی ہی نے سب سے پہلے اہل اسلام میں شہرت دی۔ کثرت سے اس کتاب کے اقتباسات کتاب الہند میں پائے جاتے ہیں۔ رامائن، مہا بھارت اور منو کی دھرم شاستر سے بھی ضروری مقامات نقل کیے ہیں۔

بیرونی کے زمانے میں وسط ایشیا، خراسان، افغانستان اور شمال مغربی ہند

بودھ مذہب کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ اس وجہ سے بیرونی جیسے تلاشی کو اس مذہب کے متعلق بہت کم معلومات دستیاب ہوئیں۔ اُس نے حسب معمول کو مشن ضروری کی لیکن کسی ذریعہ سے وہ معلومات ہم نہ پہونچا سکا۔ بودھوں کے بارے میں اُس نے جو کچھ لکھا ہے وہ زرقان نامی ایک مصنف سے جسپر اُس کو خود اعتماد نہیں، ماخوذ ہے۔ بُدھ کو سیدھو دن کا جو بدھ کا باپ تھا، ہم قافیہ سمجھ کر بدھو دن لکھا ہے، بودھ بنجو میون میں صرف گذرا اور سگریو کے نام لکھے ہیں اور بودھوں کے متعلق صرف ایک یہ روایت بیان کی ہے کہ وہ اپنے مرنے کے پانی میں بہا دیتے ہیں ایک موقع پر بیرونی نے پیشاور کی ایک عمارت کا ذکر کیا ہے جو کنشک کا کنبد کہلاتی تھی اور جس کی بابت یہ روایت مشہور تھی کہ راجہ کنشک کی ہوائی ہوئی ہے کتاب الہند کے سولہویں باب میں ہند کے مختلف رسم و رائج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اودن پور میں جو پورب ویش میں ہے، جھیکشکی خط مروج ہے جو بودھوں کا خط ہے، بیٹلیسویں باب میں جہان کوہ میرو کے متعلق بودھوں کا خیال بیان کیا ہے، صاف لکھا ہے۔

”چونکہ مجھے بودھ مذہب کی کوئی کتاب نہیں ملی اور نہ کسی بودھ سے ملاقات ہوگی جس سے بُدھ مذہب کا پتا چلتا، میں نے جو کچھ لکھا ہے ایران شہرخی کے بیان پر لکھا ہے۔

کتاب الہند میں بیرونی نے ہندوؤں کے متعلق کسی مسلمان عالم کی تصنیف اقتباس نہیں کیا ہے بلکہ ہمیشہ ہندوؤں کی کتابوں یا اپنی ذاتی معلومات سے کام لیا ہے لیکن ایران شہری ایک ایسا شخص ہے، جس کی کتاب سے ہمیں یقین انتخاب کیا ہے یہ کتاب مذہب و مل کی تاریخ تھی۔ الاٹار کی تاریخ کے وقت بھی یہ کتاب بیرونی کے پیش نظر تھی اور اس سے ایک مقام اہل ایران اور دوسرا اہل رمن کی روایات کے متعلق نقل کیا ہے۔ بیرونی نے ایران شہری کی اس کتاب کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ مذہب یہود و نصاریٰ اور مائی کا جو بیان ابوالجاس ایران شہری نے لکھا ہے، وہ بہت عمدہ ہے۔ اس کتاب کے ساتھ ایک ساگر مصنفہ زرقان بودھ ہے۔

میرے خیال میں ایران شہری کو خود بھی اس کی تحقیق نہ تھی،
بلاشبہ اگر بیرونی کو ملک میں زیادہ سیر و سیاحت کا موقع ملتا تو مذہب
بودھ کے متعلق معقول سرمایہ جمع کر لیتا۔

جس طرح یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے مصر اور مغربی ایشیا کے تمدن کو
چراغ سحری پایا تھا، اسی طرح بیرونی نے ہند کے قدیم تہذیب و تمدن کو جسے
تاقلم ہوئے اور معراج کمال کو پہونچے صدیان ہو چکی تھیں، آفتاب لب بام پایا
بیرونی سے پہلے جن غیر ملکی سیاحوں نے حالات ہند لکھے ہیں ان میں سب سے
اول بادشاہ سلیوقس کا (جو اسکندر اعظم کا جنرل تھا اور اس کی وفات کے بعد وسط
ایشیا کا بادشاہ بن گیا) سفیر گستانیز تھا۔

یہ مشہور یونانی سفیر ہند کے نامور راجہ چندر گپت موریا کے (جو ہند کے مشہور
راجا شوک کا دادا تھا) دربار میں کئی سال تک رہا اس کے ہم وطنوں کی ناقدری
اور مابعد کی جہالت کی وجہ سے گستانیز کے لکھے ہوئے حالات سب نیست نابود
ہو گئے البتہ کچھ بچے بچے اوراق ہم تک پہونچے ہیں۔ اس کے بعد پانچویں
صدی عیسوی کی ابتدا میں چینی سیاح فاہین اور چھٹی صدی عیسوی کے

سے قدیم یونانی مورخ قریب (۴۸۴) سال قبل مسیح پیدا ہوا تھا۔ اپنی تاریخ لکھنے سے پہلے کئی سیاحت کی تھی مصر اور
مغربی ایشیا کی قدیم سلطنتوں کے متعلق ہیروڈوٹس کی تاریخ ایک نہایت قیمتی اور پرزہ معلومات کتاب سمجھی جاتی ہے ۱۲
یہ یونانی سفارت جو گستانیز کی سرکردگی میں باطلی پتر و پٹنہ کے بادشاہ چندر گپت کے دربار میں بھیجی گئی تھی ۲۹۶
قبل ولادت مسیح وارد ہند ہوئی تھی۔ گستانیز نے تمام شمالی ہند کا دورہ کیا تھا اور معلومات ہمہ پہونچانے کے واسطے اس کے
پاس عہدہ وساک اور قریب پنجوٹھو۔ چنباقی ماندہ اوراق جو اس وقت بہا سے پاس موجود ہیں، قدیم تاریخ ہند پر
نہایت قیمتی روشنی ڈالتے ہیں اور اس کتاب کی زیادتی اعلیٰ نقصان ہے ۱۲

ادائل میں اُس کا ہوطن سنگ پِن ہند کی سیاحت کے متعلق تحریر میں شامل کر چکے تھے۔ بیرونی سے ایک صدی قبل چین کے نامور سیاح ہون ٹزنک نے بھی سیاحت ہند پر ایک سفر نامہ لکھا تھا۔ یہ تمام کتابیں اور بچے لکھے ورتے اس لحاظ سے نہایت قابل قدر ہیں کہ قدیم جغرافیہ اور تاریخ کے تیار کرنے میں ان سے بڑی قیمتی ملتی ہے۔ بیرونی نے ان سیاحوں کے بہت بعد میں سفر کیا اور گستاخ اور ہون ٹزنک کے مقابلے میں ملک کا بہت تھوڑا حصہ دیکھا۔ لیکن (بقول ایک جرمن محقق کے) یونانیوں اور چینی جاتریوں کے نوشتہ حالات بیرونی کی تحریر کے سامنے بچوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں۔ یایون کتنا چاہیے کہ اُن توہمات پرست اور تنگ خیال لوگوں کی تصانیف ہیں جو ہند کی نئی دنیا میں آکر اور اُسے دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے اور کوائف واقعات و حقائق اشیاء کو خاک بھی نہ سمجھے۔ بیرونی کا دل توہمات سے پاک ہے وہ ہر واقعہ کی حکیمانہ تحقیق و تفتیش کرتا ہے اور معمولی سے معمولی اور اونٹ سے اونٹ بات کی ماہیت جاننے کی غرض سے بڑی سے بڑی تکلیف کی پروا نہیں کرتا اور کوئی دقیقہ محنت کا نہیں اٹھا رکھتا۔

راخو صاحب نے کتاب الہند کے متعلق ایک جملہ البیاعہ لکھا ہے، جسے میں بغیر نقل کیے نہیں رہ سکتا۔ مستشرق موصوف کہتا ہے کہ، اگر مسلمان تصنیف پر بجا طور پر فخر کر سکتے، اور اُسے عربی ادب کے آسان میں اول درجے کا چمکتا ہوا تارا سمجھ سکتے ہیں، تو ہندوؤں کو بھی حق ہے کہ اسے خاص خوش نصیبی سمجھیں کہ ایک حق پرست علامہ عصر نے اُن کے اجداد کے تمدن کی تصویر عیسائی اُسٹن نے لپٹنے لپٹنے میں

پائی تھی، اُن کے واسطے چھوڑی ہے۔ بہت سے جزئی امور میں غالباً ہندوؤں کو اختلاف ہو، اور شاید بعض نکتہ چینیان انھیں گراں گزیدین، لیکن انھیں اس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ بیرونی کی غرض و غایت محض مورخانہ صدق و صحت تک پہنچنا اور اُسے بالکل بے تعصبی اور غیر جانبداری کے ساتھ پیش کر دینا ہے۔ نیز وہ اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ جا بجا بیرونی نے اُن کے تہذیب و تمدن کا ذکر بحد و تسائش کے ساتھ کیا ہے۔“

افسوس ہے کہ بیرونی کے بعد کسی نے اُس کی تحقیقات کو جاری نہیں رکھا۔ البتہ بہت سے علمائے کتاب الہند سے خوشہ چینی کیلئے ہمارے علم میں بیرونی کے بعد کوئی شخص نہ علمائے اسلام میں اُس کی قابلیت اور اُس کے خیالات کا پیدہ ہوا اور نہ اُس کے مہتمم بالشان کا رناموں کی تقلید کی ہمت کر سکا۔ یہ سچ ہے کہ بیرونی کے بعد عہد افغانیہ و عہد مغلیہ میں ایسے لوگ ہوئے جنھوں نے بعض سنسکرت کتابوں سے ترجمے کیے، لیکن انھوں نے جو کچھ کیا ہے، خواہ اُن کا تعلق تاریخ اسلامی کے کسی زمانے سے ہو، وہ بیرونی کے کارناموں سے کچھ نسبت نہیں رکھتا۔

۱۱۔ یاق پرہم، مصنفین کا ذکر سنہ ۱۱۰۰ھ میں جو بیرونی کے بعد غزنوی حکومت ہی میں پیدا ہوئے تھے اور جنھوں نے بیرونی کی کتاب سے خوشہ چینی کی ہے۔ اول غازی جس کا زمانہ اعلیٰ ۱۱۰۰ھ ہجری ۱۱۰۰ھ تک ہے اور دوسرا محمد بن عقیل جس نے ۱۱۰۰ھ ہجری ۱۱۰۰ھ سے ۱۱۰۰ھ ہجری ۱۱۰۰ھ تک تصانیف لکھیں۔ تاخرین میں رشید الدین مولف جامع التواریخ نے اپنی ضخیم تاریخ میں کتاب الہند سے باب کے باب نقل کیے ہیں ۱۲۔

(۶)

کہا جاتا ہے کہ ازمنہ ماضیہ میں تمام علوم و فنون میں دستگاہ حاصل کر لینا چندان دشوار نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ عہد گذشتہ میں علوم کی تعداد محدود تھی اور جو علوم موجود تھے ان میں زیادہ وسعت پیدا نہ ہوئی تھی برخلاف اس کے موجودہ زمانے میں ناممکن ہے کہ کوئی شخص تمام علوم و فنون میں دستگاہ حاصل کرنے کا خیال کر سکے، اس لیے کہ علاوہ کثرت علوم و فنون کے ہر علم اتنا ترقی پا گیا ہے کہ کسی علم میں تبحر حاصل کرنے کے لیے پوری عمر کفایت کرتی ہے۔ جو شخص موجودہ زمانے کی علمی ترقی کا معمولی تصور بھی اپنے دماغ میں رکھتا ہوگا اسے اس بات کے تسلیم کرنے میں پس دیش نہ ہوگا کہ فی زمانہ تمام علوم و فنون میں جامعیت پیدا کرنا قوت بشری سے قطعاً بالا ہے۔ البتہ متقدمین کے ہاں یہ بات بہت کچھ اختلاف کی گنجائش ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ علوم قدیمہ میں کثیر المذاقی پیدا کرنا اور جامعیت حاصل کرنا اتنا سہل نہ تھا جتنا ہمارے زمانے کے لوگ فرض کر لیتے ہیں۔

مسلمانوں کی گذشتہ علمی تاریخ پر عبور حاصل کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ علمائے اسلام میں بے شمار ایسے فضلاء گذرے ہیں جو مذاہمائے گونا گوں کے ساتھ جامعیت اور ہمہ گیری کا ادعا بھی کر سکتے تھے۔ بیرونی کی سول نعمی پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ ابوریحان بیرونی بھی اسی زمرہ متفہمین میں داخل ہے، لیکن اس کے حالات اور تصانیف پر غور کرتے ہوئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جہاں تک

ہماری معلومات دستگیری کرتی ہیں اور ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہماری معلومات نہایت محدود ہیں بیرونی نہ صرف عجوبہ دہر اور فقید النظر فرد ہے۔ دیگر متقدمین کی ہمہ گیری اور جامعیت کے متعلق کوئی شخص خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہے لیکن بیرونی ایک ایسا شخص ہے جس کی عجیب و غریب مذاق کی رنگارنگی، جامعیت اور وجود ہمیشہ انسانی فطرت، ذہنی تربیت اور علمی تشنگی کی مستثنیٰ اور مخصوص مثال سمجھی جائے گی۔

علم و حکمت، مشاہدہ و تجربہ کا وہ کونسا شعبہ ہے جس سے بیرونی کو ڈھپسی نہیں اور جس میں اُس کی نمایاں اور ممتاز قابلیتوں کے آثار تابان نہیں پائے جاتے اس کے تمام کمالات سے قطع نظر کر کے اگر تھوڑی دیر کے لیے اُسے محض ایک محقق السنہ کی حیثیت سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مبدی فیض سے بیرونی کو زبانوں کے سیکھنے کے لیے غیر معمولی استعداد عطا ہوئی تھی۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے بیرونی کی مادری زبان خوارزمی فارسی تھی۔ لیکن بغیر عربی زبان میں دستگاہ کامل حاصل کیے ممکن نہ تھا کہ اُس زمانے میں کوئی شخص اعلیٰ درجہ تعلیم تک سائی حاصل کر سکتا۔ اگرچہ فارسی زبان کی ادبی ترقیوں کے لحاظ سے یہ دور فارسی کا زمانہ شباب تھا اور شعرائے عصر کی کوششیں فارسی زبان کی تکمیل و آراستگی میں ہمہ تن مصروف تھیں لیکن عربی زبان علوم و حکمت اور اعلیٰ مذاق علمی کے لیے مخصوص تھی۔ اسی وجہ سے بیرونی نے سب سے پہلے عربی زبان میں کمال حاصل کیا۔ لیکن علم و حکمت کے جس شوق نے اُسے عربی زبان سیکھنے پر مجبور کیا تھا اُسی شوق نے اُسے اور بہت سی زبانیں سیکھنے پر مجبور کیا۔ قدیم فارسی، سنہادی اور خوارزمی غیر

جو فارسی کی مختلف تاریخی اور مقامی صورتیں تھیں، اُن کے سیکھنے میں بھی کافی وقت اٹھانی پڑی ہوگی لیکن عبرانی اور سریانی زبانوں سے واقفیت پیدا کرنے کے لیے بلاشبہ بیرونی بڑی محنت کا متحمل ہوا ہوگا۔

آئنا را باقیہ کے دیکھنے سے کامل یقین ہو جاتا ہے کہ بیرونی ان زبانوں سے کافی طور پر آشنا تھا، چنانچہ کئی جگہ پر ان زبانوں کی اصل عبارات کتاب ہدایہ میں منقول ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر دشواری اور صعوبت اُسے سنسکرت زبان کے سیکھنے میں برداشت کرنا پڑی۔ ایسی اجنبی اور مشکل الحصول زبان میں دست گاہ حاصل کرنے کے واسطے، علاوہ اوتوتون کے، غیر معمولی حافظے کی قوت درکار تھی، اور جو شخص پچاس سال کے بعد اس قدر قوی حافظے کا مالک ہو سکتا تھا لاریب جوانی اور لڑکپن میں اُس کا حافظہ اپنی نظیر آپ ہی ہوگا۔ سنسکرت ہند کی علمی زبان تھی، لیکن بیرونی ہندوستان کی متحدہ مقامی زبانیں بھی پورے طور پر جانتا تھا۔ یہ سب امور میں طور پر ثابت کرتے ہیں کہ اُس میں زبان ڈالی کا بے نظیر ملکہ ودیعت ہوا تھا، اور یہ اُسی کا دل غ تھا کہ اتنی مختلف زبانوں میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ علوم حکمت کے ہر شعبے میں حیرت انگیز تجربہ رکھتا تھا۔

علوم حکمت کی یہ حالت ہے کہ جس طرف نظر دوڑائی جاتی ہے بیرونی کی شخصیت امتیازی حیثیت سے نمایان نظر آتی ہے۔ طبیعیات، مابعد طبیعیات، منطق، ریاضی، ہیئت، نجوم، علم آثار، عتیقہ، تاریخ تمدن، علم انسان، علم المذہب، علم الکیمیا اور جغرافیہ ان تمام شعبہ کے حکمت میں مساوی طور پر اُس کی جو دست طبع

اور تجربہ کا ثبوت ملتا ہے۔ بلکہ علم الحیوانات، علم النباتات اور علم طبقات الارض کے ماہرین بھی نہایت تپاک کے ساتھ بیرونی کا اپنے زمرہ میں خیر مقدم کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ درختوں کے قد و قامت وغیرہ کے متعلق حکیمانہ بحث کرنے والا اور حیوانوں کے متعلق عجائب و غرائب میں فلسفیانہ تحقیقات کی خدمت انجام دینے والا تاریخی حیثیت سے بلاشبہ محققین کے اس گروہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں ہم کتاب الہند سے ایک مقام نقل کرتے ہیں جو ارض ہند کے متعلق ہے اور امید کرتے ہیں کہ وہ لوگ جو علم طبقات الارض کی تحقیقات جدیدہ سے واقفیت رکھتے ہیں بے اختیار بیرونی کی وقت نظری کی داد دیں گے۔

”اگر تم ہند کی زمین کو دیکھ کر اُس کی اصلیت پر فکر و غور کر گئے یا اُن مدور پتھروں کو جو زمین کے کھونڈے پر نکلتے ہیں، بھانپو گے تو نہایت غور اور فکر کے بعد تم کو ماننا پڑے گا کہ ارض ہند کسی دانے میں زیر سطح آب تھی، اس لیے کہ یہ مدور پتھر پہاڑوں کے قریب جہاں دریا کی رو تیز ہوتی ہے بڑے ہوتے ہیں اور جیون جیون پہاڑوں سے دوری بڑھتی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دریا کی روانی ہلکی پڑتی جاتی ہے۔ پتھر بھی چھوٹے ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ دریا کے دہانے پر بہت ہی چھوٹے ریگ کے ذردن کی طرح ہو جاتے ہیں۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمندر دریا براہِ روٹی سے بھر کر ارض ہند بن گیا“ (کتاب الہند باب ۱۸)

بیرونی کی فلسفہ دانی کا ذرا خیال کیجیے اس شعبے میں اُس کی معلومات اکثر متقدمین کی طرح محض افلاطون و ارسطو کے خیالات تک محدود نہیں ہیں، بلکہ ہندوؤں کے پیچیدہ مسائل فلسفہ میں بھی وہ کامل بصیرت رکھتا ہے۔ علاوہ برہمن دنیا کے مختلف مذاہب اور اقوام کے خیالات فلسفہ سے آگاہ ہونے کی وجہ سے

اُس کے فلسفیانہ معلومات کے حدود اندازے سے بڑھ کر وسیع پائے جاتے ہیں۔
 صفائے ذہن اور حسن تعقل یعنی منطقی فضل کی یہ حالت ہے کہ قبولیت عامہ
 نے معاصرین میں "محقق" کے خطاب کا سہرا بیرونی ہی کے سر باندھا ہے علوم
 ریاضی میں بیرونی کی اعلیٰ تربیت ذہنی اور جودت طبع کی حالت محتاج بیان نہیں
 یہ وہ شعبہ علم ہے، جو اُس کے فضل و کمال کا مرکزِ نقل معلوم ہوتا ہے۔ بیرونی نے
 ان علوم کی تکمیل کے لیے محض یونانی خزانہ معلومات پر اکتفا نہ کیا تھا، بلکہ ہند کے
 علمی سرچشمے سے بھی پورا فیض اٹھایا تھا۔ اپنے زمانے کے علمائے ریاضی میں
 وہی ایک شخص تھا جو اس بات کا دعویٰ کر سکتا تھا کہ وہ دنیا کے ہر ریاضی دان
 کو کچھ نہ کچھ نیا سبق دے سکتا تھا۔

ہندسہ و حساب میں اتنا کمال حاصل کیے بغیر کس طرح ممکن تھا کہ بیرونی
 ہیئت کے آسمان میں مہر نہ ہو کر چمکتا۔ قانون سعودی کا مصنف مسلمانوں
 کے اُس علمی دور سے تعلق رکھتا ہے، جب علم ہیئت کا شوق بچہ و عروج کی
 حالت میں تھا، اور اس میدان میں ایک دوسرے پر بہت لیجانے کی ہر طرف
 کوششیں کی جاتی تھیں۔ یہ ناممکن تھا کہ بیرونی جیسا محبِ حکمت ہیئت کے
 دلچسپ مشاغل سے بے اعتنائی روا رکھتا۔ ابتدا سے عمر سے لیکر اخیر تک
 بیرونی کو ہیئت اور متعلقات ہیئت سے جو غیر معمولی لگاؤ رہا اُس کا اظہار اُسکی
 تصانیف کی زہرست سے ہوتا ہے، لیکن صحیح اندازہ کرنے کے لیے لازمی ہے
 کہ قانون سعودی پر جو فن ہیئت میں اسلامی ترقی کی بفضلِ خدا زندہ یادگار اور
 بیرونی کی تصانیف میں (باتفاق رائے) مقدمات و تاخرین باب سے ممتاز تصنیف ہے

تعمق اور تفحص کی نظر میں ڈالی جائیں۔ بیرونی کے فضل و کمال کا کامل اندازہ کبھی اُس وقت تک نہ ہو سکے گا جب تک اُس کی صبر آزماتِ تحقیقاتِ ہدیت کو روز روشن میں لا کر نہ دکھایا جائے۔ قانون میں علاوہ اس کے کہ بیرونی نے تقدیر میں کی بہت سی غلطیوں کو درست کیا ہے، بہت سے ایسے طریقے اور قاعدے دنیا کے سامنے پیش کیے ہیں جن کے اختراع کا سہرا اُس کے سر ہے۔ یہ کتاب تحقیقات کے واسطے ایک نہایت بیش از قدر خزانہ ہے اور ہم افسوس کرتے ہیں کہ فی الحال ہم صرف ایک مثال سے زیادہ پیش نہیں کر سکتے، اگرچہ ہمیں یقین ہے کہ اس مثال کے پیش کرنے کا بھی یہ سب سے پہلا موقع ہے۔

قانون سعودی کے مقالہ پنجم کے سابقین باب بیٹھ بیرونی نے مساحت کرۂ ارض کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تقدیر میں بین اراطاسٹینس (۱۹۶۲-۱۹۶۳ ق۔ م) نے دو ارضیں معلوم کرنے کی کوشش کی تھی اور ایک پیمانہ معروف بہ استادیا (Stadia) میں اپنی مساحت کی مقدار نکالی تھی جب خلیفہ مامون الرشید کے زمانے میں کتبِ حدیث کا عربی میں ترجمہ ہوا تو اس بات کا خیال ہوا کہ دو ارضیں وغیرہ معلوم کیا جائے۔ چونکہ استادیا کی مقدار معلوم نہ تھی خلیفہ موصوف نے حکم دیا کہ دشتِ سنجا میں دائرۂ ارض کے ایک دقیقے کی مقدار معلوم کی جائے چنانچہ ۳۴۰ اجزائے مفروضہ میں سے ایک جزو کی مقدار ۵۵ میل معلوم ہوئی۔ ہر میل چار ہزار ذراع کا تھا اور ہر ذراع چوبیس انگشت کا۔ اوتیر میل کا ایک ذراع ہوتا تھا۔ اس طرح ہر ایک جزو کے دو لاکھ چھتیس ہزار چھ سو چھیاسٹھ اوروں نے دشتِ ذراع

کے اس کے متعلق اگر مفصل اور شرح بحث لکھنا مقصود ہو تو قارئین کا مفہوم یہ ہوگا کہ مسلمانوں نے مساحت کرۂ ارض کے مسائل کا مطالعہ کیا ہے۔
نمبر ۱۱۱ باب ۱۱۱ تبصرہ الامم میں ملاحظہ ہو جو ان کی بحث یا جستجو اور وضاحت کے ساتھ لکھی گئی ہے۔
۱۱۱ دیکھو قانون سعودی نسخہ امپریلائبریری کلکتہ درج ۵۵۰ نسخہ لندن لائبریری درج ۱۳۵

اور ۱۸ فرسخ ۵۲ ۱/۲ دقیقہ ہوتے تھے اور پورے دور کے آٹھ کروڑ ۶۱ لاکھ ذراع
یعنی بیس ہزار چار سو سیل یا چھ ہزار آٹھ سو فرسخ۔

اس حساب کے لکھنے کے بعد بیرونی کتاب ہے کہ اپنی شدت حرص کی
وجہ سے شمال و مہستان میں جو ارض جرجان میں تھا اس نے اس تحقیق کی صحت
عملاً کرنی چاہی لیکن موقع کی دشواری اور معین صادق کے نہ ہونے کی وجہ سے
کچھ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ جب بیرونی ارض ہند میں پہنچا تو وہاں اُس نے
ایک صحرائے مستوی میں ایک پہاڑ دیکھا۔ یہ موقع جزو مذکور کی تحقیق کے لیے
نہایت موزون معلوم ہوا۔ بیرونی نے ایک نئے قاعدے سے پیمائش شروع
کی۔ اول پہاڑ کی اونچائی نکالی جو ۱/۲ ۶۵۲ ذراع تھی۔ پھر اُس زاویہ کی مقدار
معلوم کی جو خط عمود جبل اور نقطہ افق و نقطہ قلعہ جبل میں ہو کر گذرنے والے خط
سے بنتا تھا۔ یہ زاویہ ۳۴ دقیقہ نکلا۔ پورا حساب درج کرنے کے بعد چونکہ نتیجہ برآمد ہوا
ہے وہ حسب ذیل ہے۔

از روے حساب بڑا نصف قطر ارض = ۱۲۸۵۱۳۶۹ ذراع

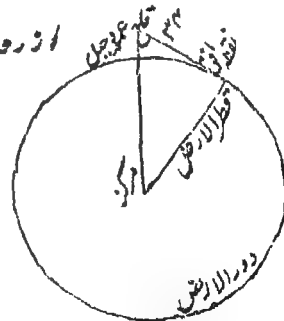
محیط ارض = ۸۰۷۸۰۰۳۹ //

ایک درجہ منجمد ۳۶ اجزاء مفروضہ کے

= ۲۲ ۴ ۳۸۸ ذراع

= ۵۶ میل ۵ دقیقہ ۵۶ ثانیہ ۶ ثالثہ

اس طرح بیرونی نے اپنا اطمینان کر لیا، لیکن چونکہ بامون الرشید کے زمانے میں



علمائے ہند کے ایک جم غفیر نے نہایت سخت کوشش کے ساتھ حساب نکالا تھا، بیرونی نے اُس پہلے حساب کو مقدم رکھا، اور اپنے سے زیادہ قابل اعتماد تصور کیا۔ لیکن آج ہمیں مینصب حاصل ہے کہ ہم دونوں حسابوں کی جانچ کریں اور دیکھیں کہ ان دونوں کوششوں میں کونسی کوشش حقیقت زیادہ کامیاب رہی۔

تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ ایک عربی میل (۴۰۰۰ ذراع) چھ ہزار چار سو تھتر انگریزی فٹ کے برابر ہوتا ہے۔ انگریزی میل میں پانچ ہزار دو سو اسی فٹ ہوتے ہیں ہم نے حساب لگا کر علمائے مامونی اور بیرونی کے نتائج انگریزی فٹ اور میلوں میں حسب ذیل معلوم کیے ہیں۔

ایک جزویا درجہ = $\frac{1}{60}$ ۲۶۶۶ ذراع	ایک جزویا دقیقہ = ۲۲۳۸۸ ذراع
" = $\frac{1}{3600}$ ۳۶۶۸۰۳ فٹ	" = ۳۶۳۱۱۵ فٹ

محیط یادور = ۸۱۶۰۰۰۰ ذراع	محیط یادور = ۸۰۷۸۰۰۳۹ ذراع
" = ۱۳۲۰۴۹۲۰۰ فٹ	" = تقریباً ۱۲۷۲۲۹۸۶ فٹ
" = $\frac{1}{2500}$ ۲۵۰۰ میل انگریزی	" = تقریباً ۲۴۷۷ میل انگریزی

ہم اُسے زمانے میں ایک جزو کی پیمائش بارہا مختلف ممالک میں کی گئی ہے اور مختلف طریقوں سے کی گئی ہے مثلاً مساحت اتار برقی اور پیمندولم کے ذریعہ

۵۲۷ امون کے زمانے کی پیمائش کا حال کتاب انہیم میں بھی موجود ہے (دیکھو صفحہ ۳۰ نسخہ نیرخشان) جس میں زمین ہندوستان

آن حساب محیط ارض را بگریز طوقیا آزمودم بے خلاف نیا تم با این مقدار کہ حکایت کردم ۱۲۰۰

کوئی ایک نتیجہ دوسرے نتیجے سے نہیں ملتا اور رہنمی پائش میں تھوڑا بہت اختلاف ہوتا ہے۔ بہر حال ان سب نتائج کو لیکر تحقیقین نے ایک نتیجہ اوسط نکالا ہے جس کے رو سے ایک جزو بخجلہ ۳۶۰ اجزائے مفروضہ کے تین لاکھ ترسیٹھ ہزار نو سو بیسٹھ فٹ کے برابر اور زمین کا پورا دور تقریباً چوبیس ہزار آٹھ سو چالیس میل کے برابر معلوم ہوا ہے۔

تحقیقات حال کو علمائے مامونی اور بیرونی کی تحقیقاتوں سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مامونی دور کے ہیئت دانوں کا نکالا ہوا جزو موجودہ حساب سے دو ہزار آٹھ سو اڑتیس اور ایک ثلث فٹ زیادہ ہے اور کل دور اس زمانے کے تحقیقین کے نکالے ہوئے دور سے ۱۶۹ میل زیادہ ہے۔ برخلاف اس کے بیرونی کا نکالا ہوا جزو صرف آٹھ سو پچاس فٹ کم ہے اور محیط لینے دو رکھل ۶۱ میل کم ہے۔ بلاشبہ یہ نتائج حیرت اور استعجاب کی نظر سے دیکھے جانے کے قابل ہیں اور موجودہ آلات کی باریجی اور قدرتی تحقیقات کا خیال کرتے ہوئے بیرونی کی کمال کوشش اور محنت کا ثبوت دیتے ہیں۔ بیرونی کی تحقیقات اور علمائے حال کی تحقیقات میں اتنا خفیف فرق پایا جاتا ہے جس کا عدم وجود برابر ہے۔

۱۵۰ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں ایک یورپین محقق نے مساحت زمین کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ مسلمان علماء ہیئت نے بھی دائرہ مفروضہ کے ایک جزو کی مقدار معلوم کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن انھیں اس میں کچھ کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ اس بعد محقق موصوف نے نہایت فخریہ بات کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ سید احمد علی بن دینے بیرونی سے چھ سو برس بعد (۱۶۷۰ء تا ۱۷۵۰ء) (Richard Nowood) ایک انگریز عالم ہیئت نے سب سے پہلے کامیابی کے ساتھ ایک جزو کی مقدار معلوم کی۔ ان صاحب نے ایک جزو کی مقدار میں لاکھ ستر ہزار ایک سو چھیتر فٹ نکالی تھی، جو مامون الرشید کے زمانے کے علمائے ہیئت سے بھی تقریباً ساٹھ پانچ سو فٹ زیادہ ہے (بقیہ صفحہ ۱۵۲)

آلات ہیئت میں بھی بیرونی نے نہ صرف بہت سی جدت آمیز اصلاحیں
کی تھیں، بلکہ اس فن میں اُسے ایجاد کا فخر بھی حاصل ہے۔ آلات اور ان کے
استعمالات کے متعلق اُس کی مستقل تصنیفات ہیں۔ ایک خاص اصطلاح
جس کا نام ”الاسطوانی“ ہے بیرونی کی ایجاد سے تھا۔ متقدمین اصطلاح
سے جو عجیب عجیب فائدے اُٹھاتے تھے اُس کا حال اس سے معلوم ہو سکتا
ہے جیسا کہ بیرونی نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ کتاب التفسیر میں تحریر کیا
ہے کہ اُس کے ذریعہ سے اجرام سماوی کا ارتفاع، طلوع آفتاب سے قبل
اوقات اور اوقات معلومہ کی مدد سے ارتفاع شمس، ساعات شب، کوکب
نایتہ کا ارتفاع اور ارتفاع کوکب سے اوقات وغیرہ وغیرہ مسائل ہیئت کے معلوم
کرنے کے علاوہ دریایا زمین کی گہرائی معلوم کر سکتے تھے جہاں رسی کام نہیں
آسکتی تھی اور پیمائش کسی طرح ممکن نہ ہوتی تھی۔ کنوئین کی گہرائی، کسی منارہ یا
یہاڑیا دیوار کی اونچائی، خواہ ہم اُن کی جڑ تک پہنچ سکیں یا نہ پہنچ سکیں اصطلاح
کے ذریعہ سے بغیر پیمائش وغیرہ کے معلوم ہو سکتی تھی۔

بیرونی اکثر حکماء متقدمین کی طرح سکون ارض کا قائل تھا اور حرکت شمس
کے بارے میں اُس نے قانون مسعودی میں بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ

درقیہ حاشیہ (صفحہ ۱۱۱) اور بیرونی کے نتیجے سے تو گریا سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ لیکن محققین یورپ اور
بائے اوقیت، اس بات کا اذکار نہ تھے ہیں کہ مسلمانوں نے جو کوشش کی وہ ناکام رہی۔ اُن کا ادعا تو اناسب
نہیں ہے البتہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دنیا کو دکھائیں کہ اُن کی کوششیں کہاں تک کامیاب رہیں۔ ۱۶
دیکھو کتاب التفسیر نسخہ ثواب تیر خزانہ صفحہ ۲۲۲ - ۲۳۱ - اور نسخہ سید سعید - ورق ۹۰ - ۹۱ - ۹۲
جوہر العلوم علی گڑھ کی لائبریری میں موجود ہیں ۱۲

دور التعلیق، نام کا ایک رسالہ تحقیق حرکت شمس میں لکھا تھا۔ جارج فاریس نے
 (Meeus) جو ہمارے زمانے کے مشہور ہیئت دانوں میں سے ہے
 اپنی تاریخ ہیئت میں اس بحث کے متعلق ایک نہایت عمدہ رائے لکھی ہے جس کا
 یہاں نقل کر دینا مناسب ہے وہ لکھتا ہے کہ ہمیں اس امر کا اعتراف کرنا ہو گا کہ
 واقعات کی ایسی حالت میں جبکہ ہمز جذب و ثقل کے ذریعہ سے نظام شمسی کے
 مختلف افراد میں ربط کا کوئی سوال پیدا نہ ہوا تھا، اُس کے (مثلاً) کو براہِ
 (Bode) نامی ہیئت دان متوفی ۱۷۷۷ء کے دلائل متعلق لیکوٹن
 جیسا کہ ہمیں ایسے شخص سے توقع کرنی چاہیے، عملی اور بالکل صحیح ہیں کچھ تعجب نہیں کہ ماہرینِ
 ہیئت بالعموم کو پرنکیس (Copernicus) کی جس نے یورپ میں سب سے
 پہلے حرکت ارض کے متعلق خیال ظاہر کیا تھا، رائے کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔
 فاریس نے جو قول براہی کی نسبت کہا ہے وہی بے کم کاست بیرونی کے
 حق میں بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ کپلر (Kepler) متوفی ۱۶۳۰ء
 (Descartes) متوفی ۱۶۵۰ء سے پہلے جب تک حرکت اور
 کشش کے قوانین ضبط نہ ہوئے تھے محال تھا کہ کوئی صاحبِ الرائے حرکت
 ارض کے متعلق براہین قاطعہ پیش کر سکتا، لیکن پھر بھی بیرونی جیسے محتاط متبحر
 کی منہ درجہ ذیل رائے اُس کے کمال احتیاط علمی کی واضح دلیل ہے۔ بیرونی
 اپنی تصنیف ”سیتیاب“ میں صراطِ لاب زورتی کے متعلق یوں لکھتا ہے کہ

۵۶ دیکھو بیرونی آن اسٹرونومی (History of Astronomy) - نسخہ جارج فاریس ایم۔ اے۔

ایسا آر۔ ایس (P. Forbes) مطبوعہ دارلاندن ۱۸۳۸ء

”ابوسعید بخیری نے ایک بڑا اصطلاح بنایا تھا جس کا عمل مجھ کو بہت پسند آیا اور
میں نے ابوسعید کی بہت تعریف کی، کیونکہ جن اصول پر اس کو قرار دیا تھا وہ کہو ارض کو
متحرک تسلیم کرتے ہیں۔ میں اپنی جان کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ عقیدہ ایسی شبہ کی حالت میں ہے
کہ اس کا حل کرنا نہایت دشوار اور اُس کا رد کرنا نہایت مشکل ہے۔ ہندوین اور علما
ہندیت اس عقیدے کے رد میں بہت پریشان ہوں گے اور ہرگز کوئی دلیل اُس کے
باطل ثابت کرنے میں ناکام ہوگی۔ میری تحریر پر انھیں طعنہ زن ہونا چاہیے کیونکہ
حرکت شبانہ روز کو خواہ وہ حرکت ارض کا باعث سمجھیں خواہ حرکت سما کی وجہ قرار دیں وہ دونوں
میں اُن کی صنعت میں کسی قسم کا فرق نہیں آسکتا۔“

ہندیت سے گزر کر جس وقت ماہرین فن بیرونی کی جغرافیائی تحقیقات پر
نظر ڈالتے ہیں تو نظری و علمی دونوں حیثیتوں سے اُس کے کمال فضل کا اعتراف کرنا
پڑتا ہے۔ ریمینڈ بیڑے (Raymond B. Beardsley) جس نے جغرافیہ
جدید کی ایک مبسوط تاریخ تین ضخیم جلدوں میں تحریر کی ہے، جس کے مطالعہ کرنے
سے یورپ کی آج سے چند صدی پیشتر کی جغرافیہ والی کی افسوسناک حالت
کا نقشہ نظر کے سامنے پھرتا ہے، لکھتا ہے کہ ”بیرونی اپنے زمانے کا سب سے
بڑا جغرافیہ دان تھا“۔ جغرافیہ کے اُس شعبے میں جس میں متقدمین علما
اسلام نے ایسی خدمات جلیلا انجام دیں، البیرونی شاید تاریخ اسلام کے ہر عہد
اور ہر قوم میں سب سے بڑا نام ہے۔ ”سعودی اور ابن حوقل کے بعد مسلمان
نے علم جغرافیہ میں قوی آثار یا دگار چھوڑے ہیں وہ غزنوی اور بطور بوریجان ہے

جو بیرونی کے نام سے شہرہ آفاق ہے..... اس شخص نے جو علمائے اسلام میں حقیقتہً محقق کے خطاب کا مستحق ہے، اپنی دورانِ تصانیف میں جو تمام انسانی علم پر حاوی ہیں، جیسا کہ اُس زمانے کے بہترین دماغ میں تصور ہو سکتا تھا، ایک کتاب جغرافیہ نہایت وریاضی پر لکھی جو زمانہ تا بعد میں "قانونِ سعودی" کے مبارک نام سے نامزد ہوئی، قانونِ سعودی میں ایک نہایت طویل نہایت اطوال البلاوا اور عرض البلاوا کی درج ہے جو بیرونی کی ساری عمر کی سیاحت اور عملی کوششوں کا حاصل ہے [دیکھو مقالہ پنجم باب "فی اثبات لطول البلاوا وعرضہا فی جداول"۔] محض سمت قبلہ کی تحقیق میں بیرونی کے نصف درجن رسالے ہیں، جو اُس کے مذہبی جذبات کی متعدد مثالوں میں ایک مثال ہے نیز اطوال البلاوا اور عرض البلاوا کی تصحیح اور تحقیق میں بھی کئی رسالے ہیں۔ اس کے علاوہ جغرافیائی نقشوں کے متعلق مستقل تالیف چھوڑی ہے جس کا نام ہے "تحدید المعمرہ وتصحیحہا فی الصوره"، اسی ضمن میں وہ تصانیف بھی شمار کرنی چاہیں جو تسطیح صور اور تطبیح کو رد یعنی مجسمات کو سطحات اور اجسام کو کروی سطحات مستوی میں بدلنے کے متعلق ہیں۔ ان میں بیرونی نے یہ بتایا ہے کہ قواعد ریاضی کی مدد سے کس طرح کروڑوں چیزوں کو ایسا پھیلا جائے کہ کچھ حسابی فرق نہ لگے۔ یہ ایک نہایت کارآمد چیز ہے اور جیسا کہ بیرونی نے لکھا ہے یہ قواعد شیاریون اور کواکب اور نیز زمین کے نقشے تیار کرنے میں استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ بیرونی نے آثار میں

۵۵ دیکھو تاریخ آثار جغرافیہ جہ (History of the Dawn of Modern Geography)

(مصنف رمینڈ پیرزہ جداول باب اول اور باب اخیر)

یہ بھی لکھا ہے کہ اُس سے پہلے اس بحث پر کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ دنیا کے روبرو وہ اس مضمون کو پیش کر رہا تھا۔

ہیئت اور جغرافیہ طبیعی کے ذیل میں بیرونی کی وہ تصانیف بھی اہل ہین جن میں مذنبات، ذوائب (دُمدار اور گیسودار) کو اکب منقصہ (ٹوٹنے والے تارے)، اور مہامین روشن ہونے والی چیزوں کے متعلق بحث کی ہے یا جن میں آثار علوی (دو یعنی سحاب، مطر، رعد، برق، صاعقہ، برف، ژالہ وغیرہ کائنات جڑ) کے بارے میں تحقیقات تحریر کی ہیں مثلاً "مقالہ فی دلالہ الآثار العلویہ علی الاحداث السفلیہ" کتاب الہند میں ہندوستان کے جغرافیہ پر جو باب تحریر کیا ہے، اور جسے رشید الدین نے جامع التواریخ میں تقریباً حرف بحرف نقل کیا ہے، وہ اپنی سحت اور وسعت معلوما کے لحاظ سے ایک عجیب و غریب تاریخی چیز سمجھا تا ہے۔

کچھ علوم ریاضی اور ہیئت پر ہی منحصر نہیں ہے تاریخ تمدن، علم آثار اور علم المذہب میں بیرونی کے علمی کارنامے آج بھی حیرت اور تعجب سے دیکھے جاتے ہیں۔ بڑی سے بڑی دشواریاں بیرونی نے ان شعبہ ہائے حکمت کے واسطے مواد جمع کرنے میں برداشت کیں اور اسی وجہ سے اُس کی تصانیف میں تاریخی استفادے کے بیش از قدر ذخائر پائے جاتے ہیں۔ کتاب الہند اور آثار الباقیہ (جن کی خوبیاں ناظرین پر روشن ہیں) اس قسم کے معلومات سے مالا مال ہیں۔

۹ دیکھو آثار الباقیہ صفحہ ۳۵۷۔

۱۰ جامع ہمارے تاریخی صفحہ ۵۔

۱۱ دیکھو ایٹم و دیگر تاریخی ہند جلد اول و جلد دوم۔

نہایت افسوس کی بیرونی کی تاریخ خوارزم اور قرامطہ اور بے بیضہ کی تاریخ مفقود ہیں اور یہ ایک ایسا افسوسناک نقصان ہے جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہیں۔

الغرض بیرونی کے حالات پر نظر ڈالنے سے اول جوابات سب سے زیادہ بین ہے وہ بیرونی کا ہمہ گیر مذاق حکمت ہے، جو تمام شعبہ ہائے حکمت کی تخریر میں مصروف نظر آتا ہے اور دوسرے جوابات سب سے زیادہ حیرتناک ہے وہ اس قدر مختلف اور متعدد شعبوں میں مہارت تامہ حاصل کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے، جو فرد واحد کی بساط سے کہیں بڑھ کر معلوم ہوتا ہے خیال ہوتا ہے کہ گویا اُس کی نظر کیمیا اثر کے ساتھ معلومات کے انبار کے انبار اُس کے سامنے جمع ہو جاتے ہیں اور اُس کا نکتہ رس اور دقیقہ سنج و باغ نہایت سہولت اور خوبی کے ساتھ اُن میں سے تباحث اور مقاصد حاصل کر لیتا ہے لیکن یہ کبھی ممکن نہ تھا کہ بغیر شدید محنت کے محض ذہن اور حافظہ یہ خدمات جلیلہ انجام دے سکتے۔ شہر زوری نے اُس کی محنت اور شوق کا حال اس طرح بیان کیا ہے

”بیرونی ہمیشہ علوم کے حاصل کرنے میں محو رہتا تھا اور کتابوں کی تصنیف پر مجھکا ہوا تھا۔ اپنے ہاتھ سے قلم کو دیکھنے سے آنکھ کو اور فکر سے دل کو کبھی جدا نہیں کرتا تھا لگ بھگ سال میں صرف دو روز یعنی نوروز اور مہرجان کے دن جب وہ اپنے کھانے وغیرہ کے سامان کو مہیا کرتا تھا۔“

ابند اکبر جس شخص کی محویت اور شوق کی یہ حالت ہو اور ساتھ ہی میدر فیض سے ایسی طبیعت پائی ہو ظاہر ہے کہ وہ کس پایہ کا عالم ہو گا۔ تلاش اور نوو شوق کا اس اندازہ کیجیے کہ متواتر چالیس برس تک وہ ایک کتاب کی تلاش میں سرگرم رہا اور سو فی

چین نہ آیا جب تک وہ کتاب دستیاب نہ ہو گئی۔ اس واقعہ کی تفصیل بیرونی نے اپنے خط میں اس طرح لکھی ہے :-

دو مین نے ابو بکر بن زکریا الرازی کی اُس کتاب کو جو علم الہی کے متعلق ہے مطالعہ کیا۔ اس میں اس نے مانی کی کتابوں کی طرف رہنمائی کی ہے۔ بالخصوص اُس کتاب کی طرف جس کا نام سفر الاسرار ہے۔ مجھے اس کتاب کے نام سے ایسی فریفتگی ہوئی جیسے اور لوگوں کو کیمیا کے متعلق سونے چاندی کی فریفتگی ہوتی ہے۔ میری نوعمری بلکہ حقیقت کی پردہ پوشی نے دل میں اس کتاب کی طلب کرنے کی کمال خواہش پیدا کی کہ کسی شہر یا ملک میں جہاں اپنا شناسا ہوا سے تلاش کیا جائے۔ میں چالیس برس سے کچھ زیادہ اسی تپش کی بنیادوں میں رہا ہیا تک کہ جندہدان سے ایک شخص آیا جس نے فضل ابن سلمان کے ذریعہ سے کچھ کتابیں پائی تھیں اور اُسے معلوم ہوا تھا کہ مجھے ان کا بہت شوق تھا۔ شخص مذکور نے ان کتابوں کو مجھ سے ملاقات حاصل کرنے کا وسیلہ بنایا۔ اُس کے پاس ایک مجموعہ تھا جس میں مانی کی حسب ذیل کتابیں تھیں، فرقاطیہ، سفر الجواہرہ، کنز الاحیاء، ضح الیقین، تاسیس، انجیل اور شاہد رقان، اور مانی کے چند دوسرے رسالے تھے اور میری مطلوبہ کتاب سفر الاسرار بھی ان میں شامل تھی۔ مجھے اس قدر خوشی ہوئی جیسے پیار سے کوشریت کے دیکھنے سے ہوتی ہے، لیکن اخیر میں ایسا ملال ہوا جیسے ناگوار چیز کھانے سے ناگوار ڈکارتی ہے۔ میں نے خدا کو اپنے قول میں سچا پایا کہ، جس کو خدا روشنی نہیں دیتا اُس میں روشنی نہیں ہوتی، پھر میں نے اُس کتاب میں سے لغو اور بیہود باتوں کو باختصار ایک جگہ جمع کر دیا تاکہ جو شخص میری طرح گرفتار مصیبت ہوا اسے چڑھ کر جلد خلاص کرے جیسا میرا حال ہوا۔

صرف اس ایک واقعہ سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ بیرونی کی تلاش کتب کی کیا کیفیت تھی۔ لاریب بغیر اس شوق کے چبھتے نہیں ہو سکتی تھی اور بغیر ایسی جستجو کے یہ تجربہ حاصل ہونا ممکن نہ تھا۔

بیرونی کے تمام افعال اور اغراض کا منتہا محض علم و حکمت حاصل کرنا تھا اور اس غرض و غایت کے پورا کرنے کا جو موقع بھی اُسے ملتا تھا وہ اُس سے بغیر قائمہ اُٹھائے نہ رہتا تھا۔ ذرا اس واقعہ پر غور کیجیے کہ سرزمین مہند میں نہایت زبان سیکھنے کے لیے آپ سفر فرما رہے ہیں، یکا یک ایک میدان مستوی اسطرح اور جبل قائمہ نظر آتے ہیں۔ فوراً ذہن منتقل ہوتا ہے کہ خط نصف النہار کے ایک درجے کی مقدار معلوم کرنے کے واسطے یہ ایک نہایت موزون موقع ہے۔ وہیں ٹھہر جاتے ہیں اور آلات مہیئت نکال کر مساحت کے عمل شروع کر دیتے ہیں اور آخر جب تک درجہ مذکور کی مقدار تحقیق نہیں ہو لیتی اور آپ کا اطمینان نہیں ہو جاتا، آگے نہیں بڑھتے۔ بیرونی نے اپنی زندگی محض کنج عزت میں نہیں گزار دی تھی بلکہ بہت کچھ سفر کیا تھا اور خوب دنیا دیکھی بھالی تھی۔ میدان مشاہدہ اور میدان معلومات وسیع ہونے کی وجہ سے اُس میں اجتہاد اور بہت بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ مشاہدے کی قوت نہایت دور بین اور کثرت رس ہے۔ ہر شے کی علمی تحقیقات اُس زمانے میں بیرونی ہی کا حصہ ہے۔ بڑی بات جو داعی فضل اور حریت ذہن پر دلالت کرتی ہے، یہ ہے کہ اُس کا مدار صرف حکما کی تصانیف کی تقلید اور خیالات کی غلامی پر نہ تھا، بلکہ وہ ہمیشہ نئی بات پیدا کرنے اور نئے علوم اختراع کرنے یا موجودہ علوم کے دائرہ معلومات کو وسیع کرنے پر

مائل رہتا تھا۔ نیز تحقیقات علمی میں جن کا مدار مشاہدہ و تجربہ پر ہے بعد کبھی سطلین نہ ہوتا تھا تا وقتیکہ خود بھی علمی غبوت ہم نہ پہنچا لیتا یہی وجہ ہے کہ اس کی معلومات اس قدر صحیح اور قابل قدر ہیں۔ جرمن محقق ڈی بیرونی کی بابت تاریخ فلسفہ اسلام میں لکھتا ہے:-

دیرونی بالخصوص ریاضی، طبیعیات، جغرافیہ اور علم الآثار میں مصروف رہتا تھا۔ وہ ایک نہایت بالغ النظر اور دقیقہ رس محقق گذرا ہے۔ فلسفہ پر جس سے اُسے مسائل مشکلہ کی عقدہ کشائی میں بہت کچھ مدد ملتی تھی اس کی توجہ ہمیشہ مبذول رہتی تھی اس لیے کہ خیال بیرونی، فلسفہ تہذیب و شائستگی کا جزو لا ینفک ہے..... آریابھاٹ کے تقلیدین کے اس خیال کو بیرونی نے اپنی تائید کے ساتھ پیش کیا ہے کہ جو کچھ ضیاء خورشید سے منور ہے، زمین اُس کی حقیقت جان لینا کافی ہے اور جو کچھ اُس سے علاوہ ہے وہ چاہے بیرون اذیاس وسیع کیون نہ ہو ہمارے واسطے لا حاصل محض ہے۔ اس لیے کہ جان مشعل آفتاب نہیں پہنچتین وہ جو اس کی رسائی سے باہر ہے اور جہاں جو اس کو یا رائی حاصل نہیں اس کی بابت ہم کچھ بھی نہیں جان سکتے۔ اس بات سے ہم بچہ لگا سکتے ہیں کہ بیرونی کا کیا فلسفہ تھا۔ اُس کا یہ فلسفہ تھا کہ جو اس کی مدد سے اشیا کو معلوم کرنا اور نقل و فکر کی یادری سے کام لینا یہی علم الیقین ہے۔ نیز یہ کہ ضروریات مدت حیات انسانی کے لیے ہم کو فلسفہ علمی کی ضرورت ہے جس سے درست و نادرست کی تمیز کر سکیں.....

تحقیقات کے لیے جو مہدیا میں بیرونی کے دماغ میں گذرے ہیں وہ بھی

۱۱ دیکھو تاریخ فلسفہ اسلام (History of Philosophy in Islam)

(J. J. De Boer)

محققہ ڈی بوئر

بعض اوقات اپنی نوعیت کے لحاظ سے نئے رنگ کے ہوتے ہیں۔ دیکھیے کہین درختوں کے قد و قامت کی علمی تحقیقاتیں ہو رہی ہیں، کہین جواہرات اور فلزات کے حجم کی نسبت سے بحث کی جا رہی ہے، کہین طبع سازی کے کُتائے جاسٹے ہیں، کہین جواہرات کی شناخت اور ماہیت کا حال لکھا جا رہا ہے کہین عید تیوہاروں کی کیفیت لکھی جا رہی ہے، کہین گندے تعویذ چھاڑ پھونک نیرنجات اور طلسمات وغیرہ کے متعلق تحقیقات کی سرگرمی دکھائی جا رہی ہے کہین یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ قطبین کے نیچے رات اور دن مل کر ایک سال کے ہوتے ہیں۔ اور کہین پیاٹون اور وزنوں اور ترا دو باٹون کا حال لکھا جا رہا ہے غرض تاریخ تمدن کی ادنیٰ سے ادنیٰ بات میں وہ لکچر لکھتا ہے اور اپنی موشگافی اور ہمہ دانی سے دوسروں کے سامنے اس طرح پیش کر سکتا ہے کہ جو باتیں بادی النظر میں معمولی معلوم ہوتی تھیں، بیرونی کی تحقیقات سے نہایت اعتنا اور توجہ کی مستحق قرار پا جاتی ہیں۔

اوپر کہین ڈی بور کے اس قول کو ہم نے نقل کیا ہے کہ ابن سینا اپنے ہم عصر بیرونی سے علوم حکمت اور جودت طبع میں کمتر پایہ رکھتا تھا۔ بادی النظر میں تعجب ہوتا ہے کہ ابن سینا کو اس قدر شہرت نصیب ہوئی اور بیرونی کا جو اپنے معاصرین میں سب پر فوقیت رکھتا تھا، دمانے نے نام تک بھلا دیا۔ میرے

صلیٰ جیسا کہ بیرونی نے انارالباقیہ صفحہ ۲۳۰ میں اشارہ کیا ہے، کتاب الصناعات لطیعة والغرائب الصناعات

اسودا دیکر مباحث کے گندے تعویذ وغیرہ سے بھی بحث کی تھی ۱۲

صلیٰ دیکھو تاریخ فلسفہ اسلام صفحہ ۱۳۳-۱۲

خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن سینا نے طب میں معرکہ الآراء تصانیف چھوڑ دیں جن کی ہر وقت اور ہر زمانے میں ضرورت پڑتی اور قدر ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ابن سینا کا نام زبانِ زدِ عوام رہا۔ بیرونی نے بھی چند کتابیں طب میں لکھی تھیں (اس شعبہ حکمت میں بھی بیرونی پوری ہمارت رکھتا تھا، لیکن وہ عام و چھپی سے قدے بالاتھیں۔ نیز اُس کی اکثر تصانیف ہدیتِ ریاضی تاریخِ آثار وغیرہ جیسے علوم میں تھیں جن کے سمجھنے اور قدر کرنے والے ہمیشہ کم ہوں گے۔ بیرونی بیرونی کے فضل و کمال کا شہرہ زیادہ مدت تک برقرار نہ رہا۔ عہدِ مابعد میں جب مسلمانوں پر علمی جمود کا عالم چھایا اور اجتہادِ فکر کی جگہ تقلیدِ محض نے لی تو متاخرین کی ناقدِ شناسی اور مذاقِ علمی کی تبدیلی کی بدولت بیرونی کا کوئی نام لیوان نہ رہا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جس دور سے بیرونی تعلق رکھتا تھا اُس میں بھی اُس کی شہرت کی یہی کیفیت تھی۔ نہیں بلکہ اُس دور کے لوگ ایسے مبتحر کی پوری قدر جانتے تھے۔ اس زمانے کی صدائے علمی (لٹریچر) بیرونی کی علمی ترقی تھی اور جو شخص ترقیِ علم میں اپنی سعی و ہمدِ مبذول کرتا تھا، دنیا اُس کی قدر و منزلت کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتی تھی۔ بیرونی کی کتابوں کی فہرست پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ مسائلِ حکمت میں وہ قریب و بعید کا مرجع بنا ہوا تھا۔ ممالکِ اسلام کا کیا ذکر منہ اور کاشمیر کے علما حل مسائل کے لیے اُس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ایسی بہت سی کتابیں ہیں جن کو مختلف فضلاء کی فرمائش سے جو متفرق مقامات کے رہنے والے تھے تالیف کیا ہے۔ ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس دور ترقی میں اُس کی شہرت دنیا سے تمدنِ چار سو پھیل گئی تھی۔

بیرونی کے شاگرد امام حکیم لبیبی سے ایک روایت منقول ہے جو بیرونی کے فاضلہ طرز تحریر پر گہری روشنی ڈالتی ہے۔ یہ روایت لبیبی نے اپنے استاد کی کسی کتاب کے حاشیہ پر لکھی تھی۔

”رہا اُسے استاد شیخ رئیس کی عادت یہ تھی کہ جب وہ اپنی کتابوں میں کسی عملی چیز کا ذکر کرتا تھا تو اُس کی مثال نہیں لاتا تھا اور اگر مثال دیتا بھی تھا تو ایسے مطلق اور فصیح الفاظ میں کہ اُس کا سمجھنا دشوار ہوتا تھا میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو اُسٹاد نے کہا کہ میں اپنی تصنیفات کو مثالوں سے اس لیے خالی رکھتا ہوں تاکہ اُن امور میں غور کرنے والا جو میں نے ان تصنیفات میں ودیعت کی ہیں، خوب کوشش کرے اور اُس میں اجتہاد اور کوشش کا مادہ ہو اور علم دوست ہو جس شخص کی یہ شان نہ ہو میں اُس کی پروا نہیں کرتا۔ وہ سمجھے یا نہ سمجھے میرے نزدیک برابر ہے۔“

اگرچہ یہ روایت بیرونی کی مخصوص معرکہ الآراء تصانیف کے متعلق صحیح ہے (اور اعلیٰ علمی تصانیف کے متعلق یہ شکایت ہمیشہ کی گئی ہے) لیکن اس کا اطلاق اُس کی کل تصانیف پر نہیں کیا جاسکتا۔ بہت سی کتابیں (مثلاً ”مبادی الہیات“ کتاب التفہیم) اُس نے سہل پیرایہ میں بتدیون کی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھی ہیں اور دقیق مسائل کو نظر انداز کر کے اصلی اور ابتدائی باتوں کو وضاحت اور مثالوں کے ساتھ سمجھایا ہے۔ مثلاً کتاب التفہیم کو لیجیے۔ اُسے پڑھ کر یہ خیال کرنا دشوار ہے کہ اس کا لکھنے والا قانون سعودی کا مولف ہے۔ اول الذکر کتاب میں اس کثرت سے مشکوں اور نقشوں سے کام لیا گیا ہے جیسا کہ فی ہاننا

اعلیٰ درجے کی ابتدائی کتابوں میں دستور ہے۔ برخلاف اس کے قانون مسعودی میں نہایت ضروری اشکال ہندسی کا استعمال کیا ہے۔ اسی طرح پر مضامین کا بھی قیاس کر لیجیے۔ قانون میں مجر و اصول بیان کیے گئے ہیں اور وہ بھی نہایت ایجاز کے ساتھ۔ اس کتاب کے پڑھنے والے کے متعلق بیرونی یہ فرض کر لیتا ہے کہ وہ اس فن کا ماہر ہے۔ لیکن کتاب التفہیم میں محض اصول ہی نہیں بتائے جاتے بلکہ اُن کو مثالوں و شکلوں ہر طرح سے پڑھنے والے کے، جسے مصنف اس فن کا مبتدی فرض کرتا ہے، ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بلاشبہ بیرونی کا رجحان طبع زیادہ تر علوم حکمت کی جانب ہے، لیکن خاص ادبی و فنی بیان بھی اُس کے دائرہ تجربہ سے خارج نہیں۔ ہزل و سخرت میں اُس کی متعدد تصانیف ہیں۔ فن شعر کے متعلق ایک مستقل تالیف ہے اور ناظرین کو خیال ہوگا کہ ابی تمام کے (جو شعر میں بیرونی کا سب سے عزیز شاعر معلوم ہوتا ہے) اشعار کے متعلق بھی دو کتابیں ہیں۔ نیز خالص ادبی فضل کی کیفیت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جا بجا عبارت متقفہ اور فصیحے متوازن ہوتے ہیں۔ الفاظ کی موزونیت کی (بقول مستشرق زانہ) یہ حالت ہے کہ جو لفظ جہاں استعمال کیا ہے، وہاں دوسرا لفظ اُس کی جگہ جوڑ نہیں کھاتا۔ اختصار اور ایجاز کا حال اور پر لکھا جا چکا ہے۔ مناسب اشعار بھی کبھی کبھی دور ان تحریر میں قلم سے نکل جاتے ہیں اور بر محل کلام مجید کے حوالجات بھی بے تکلف شامل تحریر پائے جاتے ہیں یہ تمام امور بیرونی کی عربی زبان کی انشا پر دازمی کا کمال ظاہر کرتے ہیں۔ البتہ سخت ظلم ہوگا اگر انشا پر دازمی کا انداز و ایسی علمی کتابوں سے کیا جائے جیسے

قانون سعودی، جہاں مضامین کی نوعیت خود انشا پر دازی اور رنگینی تحریر کی مانع ہے
اب ہم بیرونی کے فضل و کمال کے مختصر بیان کو ختم کر کے اُس کے اخلاق
و عادات کی طرف ناظر بنیں گی۔ توجہ مبذول کرتے ہیں۔ بیرونی کی تصانیف
سے ظاہر ہے کہ وہ ایک بے تعصب، صلح کل آزاد مشرب اور بالائے ہمہ حق
پرست حکیم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس کے حلقہ و احباب میں مختلف مذاہب کے
لوگ شامل تھے جن کے میل جول سے وہ علمی فائدہ اٹھاتا تھا۔ آثار اور
الہند کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسائی، یہودی، زرتشتی، ہنونی، ہندو
پنڈت غرض ہر قوم اور مذہب کے لوگ جن سے اُسے دوران سیاحت میں
واسطہ پڑا، اُس کے دوست تھے اور اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ
بیرونی کے مذاق فطری کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ دوستی بالعموم بر بنائے علم و حکمت
ہوتی تھی۔ بیرونی کی طبیعت میں ظرافت کا مادہ بھی پایا جاتا ہے، لیکن اُس کا
مذاق سنجیدہ ہے اور سچو بیچ ہوتی ہے۔

بیرونی بلاشبہ آزاد مشرب اور روشن خیال حکیم تھا، لیکن جاشا وہ قیود مذہب
سے آزادی اعتقادِ ملت سے منحرف نہ تھا، بلکہ اس کے برخلاف جا بجا اس کی قوی
مذہبیت اور حسن عقیدت کے علامات نظر آتے ہیں۔ کلام مجید کے حوالجات
جس سہولت سے وہ پیش کرتا ہے، اُس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قرآن شریف
پر وہ عبور رکھتا تھا۔ سمت قبلہ کی تحقیق کے متعلق نصف درجن رسائل کا تحریر
کرنا دوسری دلیل اُس کے جوش ملی کی ہے۔

یہ ممکن تھا کہ بیرونی جیسا کہ الطبع او عمیق النظر حکیم عقل انسانی کی حدود

اور مذہب الہی کی برتری سے نا آشنا رہتا۔ تاریخ اسلام میں بیرونی سے بہت پہلے عقل و مذہب کا معرکہ شروع ہو گیا تھا اور بہت سے ایسے اہل خیال پیدا ہو گئے تھے جو عقل کو بے جا فضیلت دینے اور مذہب کو عقل انسانی کی تختی پر مجبور کرنے پر مصر تھے۔ بیرونی اُن اہل خیال کے دائرہ سے خارج ہے۔ وہ سب پہلے اس بات کا قائل ہے کہ مذہب الہی عقل کا مخالف نہیں ہو سکتا لیکن اُسے اس سے انکار ہے کہ انسانی عقل ہمیشہ صحیح مسلک اختیار کرتی اور تعقل و تخیل کی غلطیوں سے مبتلا رہتی ہے۔ لہذا اُس کا عقیدہ یہ ہے کہ مذہب الہی کو صحیح مان کر اپنی عقل کو مسائل الہی کا تابع رکھنا چاہیے اور اگر کبھی اتفاقاً ایسے امور نظر آئیں جو ہماری عقل سے مطابق نہ ہوں تو اُن کا انکار نہ کر دینا چاہیے بلکہ جان تک ہو سکے فکر و غور سے کام لینا چاہیے۔ بنابرین خیالات بیرونی ابو بکر بن دکر یا الرازی کی بیرون از حد روشن خیالی اور مذہبی آزادی کا مخالف ہے اور اُن تمام لوگوں سے اختلاف رکھتا ہے جو مذہب کو اپنی محدود عقل کا غلام بنا چاہتے ہیں یا مذہب کو عقل کی مخالفت سے تصور کرتے ہیں۔ ایسے خیالات سے وہ پناہ مانگتا ہے۔ اسی طرح وہ اُن لوگوں کا بھی مخالف ہے جو خواہ مخواہ محض جہالت اور تعصب کی وجہ سے عجیب و غریب مذہبی پہلو تراش کر فلسفہ و علوم طبیعی کی مخالفت کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ وہ لکھتا ہے۔

”یہ اس ساری بحث سے یہاں یہ مقصود ہے کہ اُن لوگوں کے خیالات کی تردید کروں جو یہ کہتے ہیں کہ فلسفہ و علوم طبیعی اسباب و نتائج قرآن کے بیانات کے خلاف ہیں“

اور جو کسی فقیر یا مفسر کے قول کی بنا پر کسی امر کی تائید کرنا ضروری جانتے ہیں،
 قدیم تذکرہ نویسوں کا دستور تھا کہ جب کسی عالم یا حکیم کے حالات لکھتے
 تو آخر میں اُس کے چند پسند و نسلح اور حکیمانہ اقوال ضرور درج کر دیا کرتے تھے
 شہر زوری اور بہیقی نے بھی ابوریحان بیرونی کے مختصر تذکرے میں معمول
 کی موافق یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ ہم بھی تمیناً اُن اقوال کو درج کیے دیتے ہیں
 جنہیں مورخین مذکور نے اُس علامہ اجل کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اسی
 پر ہمارا ختم کلام سمجھ لینا چاہیے۔

بیرونی نے کہا ہے کہ پادشاہوں کے لیے بڑی اندیشہ ناک چیز انتقام
 لے کر سزا دینا ہے۔

بادشاہ کو درویش ہو جانے کا سب لوگوں سے کم خطرہ ہوتا ہے لیکن
 ہلاکی کا سب سے بڑھ کر اندیشہ ہوتا ہے، پس اُسے چاہیے کہ نہ بزدلی کرے نہ
 بخیلی جو چیز اُس کے پاس کم ہوتی ہے زیادہ نہیں ہوتی اور جو چیز زیادہ ہوتی
 ہے کم نہیں ہوتی۔

احسان جانا محسن کے احسان کو باطل کر دیتا ہے۔
 ہوشمند وہ شخص ہے جو کل کے امور کی تدبیر آج کر کے بے پروا
 ہو جائے۔

کسی چھوٹی چیز کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے، اس لیے کہ چھوٹی چھوٹی چیزیں

ہاں بہیقی نے لکھا ہے کہ ”میں نے بیرونی کی تصانیف میں سے اکثر اُس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی ہیں۔۔۔ اور کسی

تصانیف ایک بار شہرت زیادہ ہیں اور اس سے مشکور ہیں خدا نے اُس کو توفیق بخشی تھی،“ ۱۲

بعض موقع پر مفید ہوتی ہیں اور بعض موقع پر ان کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔
وہ امور جو انس اور عادت سے جمع ہو جائیں اور عام لوگ انہیں تسلیم کر لیں
ان کی مخالفت نہ کرنا چاہیے۔

جو شخص ایسا ہو جو گفتگو سے مودب بن سکتا ہے اُسے مازیانے اور
تلوار سے ادب نہ دینا چاہئے۔

عادات صالحہ علامات خیر ہیں۔

ہر روز کے لیے سچائی امر حاضر ہے اور ہر کل کے لیے سچائی وہ ہے
جو اُس میں پیدا ہوگی۔

حکما اور علما کے اخلاق کا مطالعہ عمدہ عادتوں کو زندہ کرتا اور بدعت کو
ہلاک کرتا ہے۔

ضمیمہ

میرے محترم اور شفیق بزرگ محمد ایاس صاحب برنی ایم اے (علیگ) نے مجھے مشورہ دیا کہ قانون سعودی کے مضامین کی فہرست بطور ضمیمہ شامل کروں تاکہ اہل فضل کتاب کے مضامین کی وسعت اور اس کی خوبون سے مطلع ہو جائیں۔ صاحب موصوف کے ارشاد پر کار بند ہو کر فہرست مذکور ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

فہرست مضامین قانون سعودی

ابواب المقالات الاولیٰ

- | | |
|---|--|
| ۱ | فی الاخبار عن ہیئۃ الموجودات کلیہ فی العالم بالاجمال وایجاز للتوطیہ۔ |
| ۲ | فی ذکر الدلائل عن مبادی الصناعات بالاختصار۔ |
| ۳ | فی اقتصاص دوائر السامویہ وصفۃ القابہا للتعریف فی الاستعمال۔ |
| ۴ | فی تحدید الايام واللیل منها والنہار۔ |
| ۵ | فی ذکر الشہور والسنة لطبیعیین والوہدیین۔ |
| ۶ | فی ذکر سنی الامم وشہور ہم مرسله ومطلہ۔ |
| ۷ | فی انواع الايام وما یحلیل الیوم الیہ وضعا۔ |
| ۸ | فی تحویل ہذہ الاجزاء من جنس الی جنس آخر۔ |
| ۹ | فی جماعات السنین المطلقة التي بسبب الکثرة وغیرہا۔ |

- ١٠ في جماعات التي بسبب كبس لسنين شمسية -
 ١١ في جماعات التي بسبب كبس لسنين القمرية -
 فذلك احد عشر باباً

ابواب المقالة الثانية

- ١ في نقل التواريخ الثلاثة بعضها الى بعض -
 ٢ في تمييز اليقرض في التواريخ مختلف الاجزاء -
 ٣ في ذكر تحاليل في التواريخ الثلاثة المستعملة في تاريخ اسكندر وتاريخ هجرت و
 تاريخ يزوجرد و بخل منها السنة العارضة فيها -
 ٤ في تواريخ آخر غير الثلاثة مستعملة في هذه الصناعة -
 ٥ في سائر التواريخ المشهورة -
 ٦ في تواريخ الهند و استخراجها من التواريخ الثلاثة والثلاثة منها -
 ٧ في سني اليهود و شهورهم و اعيادهم و استخراجها و التواريخ الثلاثة بعضها من بعض -
 ٨ في استخراج صوم النصارى -
 ٩ في صيام النصارى و اعيادهم -
 ١٠ في الايام المعظمة في الاسلام من شهور العرب -
 ١١ في اعياد الفرس و ايامهم المشهورة في الجوسيتهم -
 ١٢ فيما بغيرهم من اعيادهم و ان يتحقق تحقيق اشكاله -
 فذلك اثنا عشر باباً

ابواب المقالة الثالثة

- ١ في اهمات الاوتار واستخراجها-
 - ٢ في توابع اهمات الاوتار-
 - ٣ في التحمل الاستخراج وتر لتسع-
 - ٤ في التحمل الاستخراج وتر الجوز الواحد من ثلثاته وستين-
 - ٥ في النسبة التي بين لقطر وبين الدور-
 - ٦ في اختيار عدد لقطر يكون تقطيع الاوتار بحسبه-
 - ٧ في التجيب والتقويس-
 - ٨ في اخطال الاشخاص في الضياء وتعريف انواع نطل وسنعماله-
 - ٩ في شكل القطاع الكرى ونسبه الواقعة من جيوبه-
 - ١٠ في نسب الواقعة في لقطع من الجيوب والاطلال-
- فذلك عشر باباً-

ابواب المقالة الرابعة

- ١ في مقدار تقاطع زاوية معدل النهار مع منطقة البروج وهي ليل الاعظم-
- ٢ في تقطيع ليل الاعظم ومعرفة حصص درجات البروج منه-
- ٣ في مطالع خط الاستواء مع فلک البروج وعكسها بالجدول والحساب-
- ٤ في استخراج بعد الكواكب ذى العروض عن معدل النهار-

- ٥ في معرفة الدرجة التي تشرق الكواكب ذى العروض على خط وسط السماء -
- ٦ في معرفة درجة الكواكب وعرضه من قبل بعده عن معدل النهار ودرجة ممره إذا
عرفت بالرصد -
- ٧ في معرفة عروض البلدان بارتفاعات الاشخاص الطالعة الغاربة على فلک
نصف النهار -
- ٨ في معرفة عروض البلدان بارتفاعات الاشخاص الابدية الظهور فيها على فلک
نصف النهار -
- ٩ في معرفة عروض البلدان من ارتفاعات الاشخاص في فلک نصف نهارها
وفلک نصف نهار بلد آخر معلوم العرض -
- ١٠ في معرفة الارتفاع في فلک نصف النهار
- ١١ في معرفة ظل نصف النهار -
- ١٢ في سعة المشرق والمغرب واتجاهها ومعرفة عرض البلد منها -
- ١٣ في معرفة السميت من قبل الارتفاع -
- ١٤ في معرفة الارتفاع من قبل السميت -
- ١٥ في معرفة خط نصف النهار بعدة طرق وتصحیح -
- ١٦ في معرفة عروض البلدان وبلد الشمس من قبل ارتفاعين لها شوايلين مع سميتها -
- ١٧ في تعديل النهار وقوس النهار والليل معرفة عرض البلد منه -
- ١٨ في مطالع البروج والمغربها في البلاد -
- ١٩ في دجتي طلوع الكواكب وغروب -

- ٢٠ في معرفة الماضي من النهار من قبل ارتفاع الشمس وعكس ذلك -
 ٢١ في معرفة الوقت من الليل بقياس الكواكب الثابتة -
 ٢٢ في استخراج الاوتاب والاربعة للوقت المعلوم بالمطالع -
 ٢٣ في استخراج الاوتاب وبعض اقليم الرومية اذا عدت مطالع البلدة -
 ٢٤ في تحويل الوقت والمطالع من اقل الى آخر -
 ٢٥ في صفة قبة الارض واستخراج طالعها -
 فذلك ستة وعشرون باباً -

البواب المقالة الخامسة

- ١ في تصحيح اطوال البلدان بالكسوفات -
 ٢ في تصحيح اطوال البلدان بابنية من المسافات -
 ٣ في استخراج المسافة بين بلدين معلومي الطول والعرض -
 ٤ في معرفة طول بلد وعرضه من قبل المسافة بينه وبين آخر من معلوم الطول
 والعرض -
 ٥ في معرفة سموت البلاد بعضها من بعض -
 ٦ في طريق الصناعات لمعرفة سمت القبلة وغيرها -
 ٧ في معرفة دور الارض بالاجزاء الاصطلاحية -
 ٨ في ذكر خواص المدارات الموازية لخط الاستواء -
 ٩ في صفة العمورة بالاجال وتحديد اقاليمها طولاً وعرضاً -

١٠ في اثبات الطوال البلدان وعروضهما في جداول -

١١ في مسائل المطالع للتدريب -

فذلك احدى عشره باباً -

ابواب المقالة السادسة

١ في تحويل التايخ من بلد الى بلد -

٢ في تصحيح طول غزة والاسكندرية -

٣ في كيفية الوقوف على اوقات الاعتدال والانقلاب وسائر الموضع المفروضة

من فلک البروج -

٤ في الحاجة الى التفاضل الخارج للركن كيفية تصويرها في كره الشمس -

٥ في تصور الحركة في الافلاك التي يطن فيها انها تقاطعاً -

٦ في حركة الشمس الوسطى الى الطريق الذي استخرجها بطليموس -

٧ في ان اوج الشمس متحركة -

٨ في مقدار حركة الاوج -

٩ في تصحيح وسط الشمس واستخراج اصله -

١٠ في تقطيع التعديل وتكوين الشمس -

١١ في تعديل الزمان ونقل الايام المختلفة الى المستوية الوسطى -

فذلك احدى عشره باباً -

ابواب المقالة السابعة

- ١ في ذكر حركات القمر وحكايت الآراء في مسيره المستوي والمختلف -
- ٢ في تقريب امر حركتي القمر بالحق بالحق الشمس -
- ٣ في تصحيح حركتي القمر -
- ٤ في حركة القمر في العرض (ا) في ذكر هذه الحركة وتصحيحها (ب) في موضع الزين وتصحيح مسيره -
- ٥ في عرض القمر -
- ٦ في ماخذ العودات المتقدمة -
- ٧ في اختلاف اختلاف القمر (ا) في النسب الموجب للقمر فلان (ب) ومعرفة ما بين مركزه ومركز العالم (ب) في انحراف قطر فلان التدوير ونقطه مخافته
- ٨ في احوال تعاديل القمر (ا) في الابانه عما في كل جدول منها (ب) في عمل تقويم القمر بجدولنا -
- ٩ في كيفية تصور الحركات المذكورة في الافلاك القمراني في كرتة -
- ١٠ في اختلاف منظر القمروطولاً وعرضاً من موضعه المحسوب والمركبي - (ا) في معرفة قطر النيران وظل الارض (ب) في انحراف قطر فلان التدوير ونقطه مخافته -
- ١١ في اختلاف منظر الشمس (ا) في معرفة بعد الشمس عن الارض -
فذلك احد عشر باباً -

البواب الثاني والثلاثون

- ١ في بياض الشمس والقمر ومعرفة السنين والسنين -

- ٢ في استقبال النيرين واجتماعهما وسائر الاوضاع الحاصلة من بعد بينهما -
- ٣ في صفه الكسوفين وتصويرهما والفرق بينهما وبين الاشكال في نور قمر قبل الاستقبال وبعده -
- ٤ في ظل القمر وتحديد اوضاعه -
- ٥ في الحدود التي يمتنع الكسوف فيها عداها -
- ٦ في استخراج قطري النيرين في المنظر وقطر لطنل -
- ٧ في حساب كسوف القمر (ا) في المقدار المنكسف وكسيره (ب) في اختلاف الوان في الخرقه وصورة -
- ٨ في اوقات كسوف القمر (ا) في اوقات بالاطلاق (ب) في احوال القرب لطلوع والغروب -
- ٩ في حساب كسوف شمس (ا) في المقدار المنكسف وكسيره (ب) في خرقه وتصويره في اوقات كسوف الشمس -
- ١٠ في ما يذكر من الوان كسوف الشمس -
- ١١ في اشكال خيارد القمر وساعات اصنافه -
- ١٢ في اوقات طلوع الفجر وغيبه -
- ١٣ في رويت الهلال (ا) في اسكان الروية واتناعها ووجوبها (ب) في سمت الهلال وتزيينه ونصب الترنج عليه -
- ١٤ في منازل القمر وموضع منها والايام المتأدله -
- ١٥ في الايام القمرية (ا) في النصف الايام القمرية (ب) في تداخل الايام الشهرية

١٤ خيال الكسوفين (١) في اتحاد مداري النيرين (ب) في تساوي مداري النيرين -

فذلك سبعة عشر باباً

ابواب المقالة التاسعة

١ في تنويع الاشخاص النيرة (١) في الفرق من الكواكب الثابتة وبين النيرة (٢) في علم تسمية الثابتة بالثبات -

٢ في تقسيم الكواكب الثابتة اقساماً ذاتية (١) في ذكر تفاصلها بالعلم (ب) في السمايات والمجرة

٣ في حركة الكواكب الثابتة (١) في ان حركة جميعها على قطبي فلك البروج (ب) في الحال الكواكب الكائن على قطري احدى الحركتين (٣) في تجديد حركة الكواكب الثابتة -

٤ في تقسيم الكواكب الثابتة بحسب سكان بقاع الارض (١) في احوالها والاقابها في عروض البلدان (ب) فيما يتغير من هذه الاحوال على طول الارض منه وتحديد ما يمكن فيه قبول العير والايكس فيه -

٥ في اوضاع الكواكب الثابتة من الشمس واهوالها -

٦ في تشرق الكواكب تغربها

٧ في حصر الكواكب الثابتة (١) في اوضاعها تحويها (ب) في اثبات اوضاع الكواكب الثابتة في الجداول

٨ في منازل القمر وكواكبها عند العرب الهند

٩ في الانوار والبوارج على نذهب العرب
فذلك تسعة باباً

ابواب المقالة العاشرة

- ١ في اقصا ص احوال الكواكب الخمسة وحركاتها والقباب فلما
- ٢ في طريق الذي وقف بطليموس منه في الكوكبين السفليين احوال وجهها فلما
تدويرها والحركات فيها (١) في الاوج وانتقاله (ب) في مقدار خروج
مركز الحركة عن مركز العالم (ج) في معرفة نصف قطر فلما التدوير وتصحيح الخاصية
في طريق الذي منه وصل بطليموس في الكواكب العلوية الى مثل ما كان وصل
٣ اليه بطليموس في السفليين (١) في الوجه الذي افرق منه الى هذه المطالب
(ب) في تحصيل ستة فلما التدوير
- ٤ في الموضوع في الجداول (في الكواكب) وتقوم الكواكب بها
- ٥ في تحيير الكواكب الخمسة (١) في كيفية الرجوع العارض الكوكب استخراج المقادير
(ب) في معرفة الاقامة الرجوع والاستقامة والرجوع والاستقامة
٦ في ابعاد الكواكب اجرامها (١) في ابعادها عن الارض نحو العلوي (ب) في
اقطار الكواكب في المنظر وكسرها اجرامها
في تصورات الهيئة التي عليها يستقيم حركات الثابتة في الكواكب
في اقصا ص الحركات التي بها يسيل الكواكب الى الشمال والجنوب
في حكايت طريق بطليموس في افراد صنفى الغرض

- ١٠ في جداول عروض الكواكب واستعمالها -
 ١١ في ظهور الكواكب المتخيرة واستحقاقها (ا) في غاية تباعد الزهرة وعطار
 عن شمس (ب) في اول تشرق الكواكب وتغربها
 ١٢ في اقترانات الكواكب وستراتها بعضها ببعض
 ١٣ في ستر القمر الكواكب
 فذلك ثلثة عشر بابا

ابواب المقالة الحادية عشر

- ١ في طريق تسوية البيوت (ا) في ذكر الطرق المشهورة فيها (ب) في الطرق
 الذي أثرته
 ٢ في اتفاقات المواضع (و) في تناظر الكواكب البروج (ب) في سائر
 الاوتفاقات بينهما (ج) في اتصال الكواكب طولاً وعرضاً
 ٣ في الاستخراج البعد عن الاوتاد
 ٤ في مطايح الشعاعات (د) في العمل المنسوب الى بطليموس (ب) في طريق
 المنتهين (ج) في الطرق الذي أثرته
 ٥ في اعمال التيسيرات (١) في الطرق المشهورة في ذلك (ب) في منج الدرع
 والمطالع واستعمالها (ج) في الطرق الذي أثرته في التيسيرات (د)
 في معرفة مبالغ تيسيرات (هـ) في تقسيط القوى بحسب المواضع
 ٦ في معرفة وقت بلوغ الكواكب موضعاً مفروضاً من فلك البروج

- | | |
|----|---|
| ٤ | في تحاويل سنى العالم والموالييد وشهورها |
| ٨ | في انتهاءات المواليد واذا رتبها بالسنين ومادونها |
| ٩ | في معرفة النطاقات والتهدير ولوازمها |
| ١٠ | في صعود الكواكب وهبوطها (١) في الممرات (ب) في انواع الاستعلام |
| | الثلة - |
| ١١ | في ذكر قرانات الكواكب العلوية |
| ١٢ | في الالوف ونوب الازمنة |
| | فذلك اثنا عشر باباً |



غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۷	وجود	وجود
۲	۱۱	روز بروز	روز بروز
۳	۱	پیکار	پیکار
۴	۵	بتاتی	بتاتی
۵	۱۲	خلیفہ	خلیفہ
۶	۳	کند	کند
۷	۱۰	اسط	اسط
۸	۸	خصت ہو گئے تھے	خصت ہو گئے تھے
۹	۹	نظر آئے گی	نظر آئیں گی
۱۰	۱۳	مذاق علمی ہے	مذاق علمی سے
۱۱	۶	اختلاف قمر	اختلاف قمر
۱۲	۲۳	فارابی	فارابی اللہ
۱۳	۶	الرازی	الرازی اللہ
۱۴	۶	مذاق طب میں روح	مذاق طب کی روح

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۲	۱۶	کتاب الباء	کتاب الباء
۲۴	۴	بنو امجور	بنو امجور
"	۸	زمانہ خلافت	زمانہ خلافت
۲۶	۱۷	اس نے	واسطے اس نے
۲۷	۱	ابن صالح	ابن صالح
۲۸	۲	علم پروری	علم پروری
"	۶	نہوا تھا	نہوا تھا
"	۱۳	نہ کی جاتی	نہ کی جاتی
۳۲	۸	منسوب	منسوب
۳۹	۹	مین عاقل	مین بھی مرد عاقل
۴۵	۱	جسد	جسد
"	۳	ابوالخیر الحمار	ابوالخیر الحمار
۴۹	۷	ستایش گئے	ستایش کے
۵۰	۱۹	آشنا	آشنا
۶۱	۱۸	شمس مین	شمس مین
۶۲	۷	عمر موافق	عمر کے موافق
۷۱	۱۸	اعتد	اعتذار
۷۵	۱۴	تحقیق ناللسند	تحقیق ناللسند

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۷	۲	من الابداد	من الابداد
۷۸	۱۷	بانی جعفر	ابی جعفر
۸۱	۶	۸۷-۶۶	۶۶-۸۷
۸۲	۳	کر لینے	کر دینے
۸۳	۶	آئے ہیں	آئے ہیں
۸۴	۵	بتہ	بتہ
۸۶	۵	ابن الکاسی	ابن الکاشی
۸۸	۱۹	۸۸	۸۸
۸۹	۱	باو	یاد
۹۸	۹	بنت و فضل	بنت و فضل
۹۹	۴	چاہے	چاہے
۱۰۵	۶	مشاہدہ تحقیق	مشاہدہ و تحقیق
۱۰۸	۳	لوگ جو اکثر	لوگ اکثر
۱۱۶	۱۰	کعب لاخبار	کعب لاخبار
۱۱۹	۱۶	گفتون	گفتون
۱۲۲	۱۸	روزہ رکھنے و	روزہ رکھنے دیکھا
۱۲۳	۸	بندہ کا نام	بندے کے نام
	۸	تقنی	التقنی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲۵	۳	مزدولہ	مزدولہ
۱۳۱	۱۲	مرد سے ستغنی ہو گیا	مرد سے بیان تک ستغنی ہو گیا
"	"	پانگل رو	پانگل رہ
۱۳۳	۲	ابو معشر بلخی	ابو معشر بلخی
"	۱۵	تصانیف میں زیادہ	تصانیف میں زچ زیادہ
"	۱۶	سارون	سارون
"	۱۸-۱۶	آریا تھا س (جسے ار جاباد کہتے تھے) آریا بھاجتے عرب ار جاباد اور آریا باو کہتے تھے۔	آریا بھاجتے عرب ار جاباد اور آریا باو کہتے تھے۔
۱۴۴	۲-۳	بیرونی نہ صرف عجوبہ دہرا اور فقید النظر ہے	بیرونی نہ صرف تاریخ اسلام میں عجوبہ دہرا اور فقید النظر فرد کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ دنیا کی تاریخ میں اس پایہ کے بہت کم متبصر پیدا ہوئے ہیں۔
۱۶۶	۴	ہیتی	ہیتی
۱۷۰	۱۶	امثالہ وال تحقیق	امثالہ وان لم تحقیق
۱۷۴	۵	من بلہ	من یارہ الی آخر

س



ب م س



